یہ رسالہ ماہوار ہر انگریزی مہینے کی آخری تاریخ کو قادیان سے شایع ہوتا ہے

نمبر ۸

جلد ۵

ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف وینہون عن المنکر واولئک ہم المفلحون (آل عمران ۱۰۵)

چاہیے کہ تم میں سے ایک ایسی جماعت ہو جو نیکی کی طرف بلائے اور بھلائی کا حکم کرے اور بدی سے منع کرے اور یہی لوگ کامیاب ہونگے

ایڈیٹر

صاحبزادہ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب

قیمت سالانہ عوام سے عمار دو روپے اور طلباء سے عہر ایک روپیہ آٹھ آنہ اور غیر ممالک سے عہر دو روپے آٹھ آنہ

رسالہ

تشحیذ الاذہان

قادیان

بابت ماہ اگست ۱۹۱۰ء

فہرست مضامین

مطابق ماہ شعبان ۱۳۲۸

باہتمام چوہدری عبد السلام صاحب منیجر مورخہ ۳۱ - اگست ۱۹۱۰ء کو قادیان سے شایع ہوا

اسلامیہ سٹیم پریس لاہور

اصلی ممیرا اور ممیرے کا سرمہ

اسلی ممیرے اور ممیرے کے سرمہ کا اعلان عرصہ سے شایع ہو رہا ہے۔ اس اثنا میں بہت سے لوگوں نے فائدہ اُٹھایا ہے یہ سرمہ حضرت خلیفۃ المسیح مولوی حکیم نور الدین صاحب مدظلہ کے مجوزہ نسخہ کے موافق طیار کیا گیا ہے اور اصلی ممیرا جسکو خود حضرت نے دیکھکر اصلی ممیرا ہونیکی تصدیق کی اسمیں ڈالا جاتا ہے۔ حضرت نے اس سرمہ کے متعلق خود فرمایا کہ "برائے امراض چشم بسیار مفید است" اس شہادت کے بعد کسی اور شہادت کے مجھے ضرورت نہیں کیونکہ کئی لاکھ افراد کا امام جو طبی حیثیت اور تجربہ سے بھی طبی امام کہلانیکا جایز حقدار ہے۔ اسکے مفید ہونیکی شہادت دیتا ہے۔ یہ سرمہ دھند جالا پھولا پڑوال سبل اور سرخی ابتدائی موتیا بند وغیرہ امراض چشم کیلیئے بہت مفید ہے۔ قیمت سرمہ قسم اول فیتولہ عگا قسم دوم عہ قسم سوم عہ اصلی ممیرا قسم اول عا؍ قسم دوم تے؍

ترکیب استعمال:۔ یہ ممیرا پتھر پر گھسکر یا سرمہ کی طرح پیسکر آنکھوں میں ڈالا کرے یہ سرمہ خاصکر اس گرمی وغیرہ کے موسم میں جو بیمار ہوتے ہیں۔ بہت مجرب ہے۔

ست سلاجیت

(محیط اعظم سے نقل کیا ہے جسکی عبارت یہ ہے)

مقوی جمیع اعضا نافع صرع مشہی طعام قاطع بلغم و ریاح دافع بواسیر و جذام و استسقا و زردی رنگ و تنگی نفس و دق شیخوخیت و فساد بلغم و قاتل کرم شکم مفتت سنگ گردہ و مثانہ و سلسل البول و سیلان منی و یبوست و درد مفاصل وغیرہ وغیرہ بہت مفید ہے۔ بقدر دانہ نخود صبح کیوقت دودھ کیساتھ استعمال کریں قیمت فیتولہ ۸؍

لنگیاں اور کلاہ

ہر قسم کی لنگیاں مشہدی اور پشاوری بادامی سیاہ سفید ماشی ریشمی اور سوتی لنگی صافے سفید اور بادامی اور پشاوری ٹوپیاں اور زردی کی پشاوری جوتیاں ہر قسم کی اور ہر قیمت کی ملسکتی ہیں؛

المشتھر:۔ احمد نور کابلی مہاجر سوداگر قادیان ضلع گورداسپور (پنجاب)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

سید الطعام لحم

رسالہ آریہ مسافر مئی سنہ ۱۹۱۰ء میں ایک مضمون متعلق گوشت خوری ایک مسلمان مسمی فخر الدین ناطق کا نظر سے گذرا۔ بس یہ ضرور نہیں کہ ہم تحقیقات کریں کہ مضمون نویسندہ مسلمان ہے۔ یا کوئی چھپے رستم بہاشئے صاحب ہم صرف اس کے پیش کردہ خیالات باطلہ کا بطلان پبلک پر ظاہر کریں گے اور اس کی اس عقل کا اندازہ اور ناواقفیت اسلام کے راز کو طشت از بام کرینگے جو اس کے اس ٹھوکر کا باعث ہوئے۔ وما توفیقی الا باللہ۔

اس احسن الخالقین اور ارحم الرحمین نے بموجب اپنے فرمان مبارک خلق لکم ما فی الارض جمیعا کے اس انسان ضعیف البنیان کی خاطر انواع و اقسام کی اشیا کیا روحانی اور کیا جسمانی کیا زمینی اور کیا آسمانی سب اعلیٰ و ادنیٰ مہیا کر کے سب کو اس کی خدمت پر متعین کیا۔ اسکو سب پر مخدوم مقرر کیا پھر اس ناقص مخلوق کو محض اپنے فضل و کرم سے اور بمقتضائے اپنی رحمانی صفت کے اشرف المخلوقات کا تمغہ عطا فرما۔ اور قدر ہٗ تقدیرا کے مطابق ہر مخلوق کی حد بھی مقرر کر دی۔ یعنی مخدوم کو مخدومیت کے جامے میں رکھا اور خادم کو خادمیت کے مرتبے پر۔

مبارک وہ جو اس حکیم وخبیر کی اس حکمت سے فائدہ اٹھاویں۔ اور بدقسمت

ہے۔ وہ روح جو ناسمجھی سے فزادھم اللہ مرض کا داغ پیشانی پر لے ؀

گوشت خوری کے متعلق بارہا اہل اسلام کی طرف سے طمانیت بخش جوابات دے چکے ہیں۔ مگر افسوس انکے سمجھنے کے لئے آگے ایسے خرد ماغ ہیں کہ بجائے تسلیم یا جواب الجواب دینے کے انہی اعتراضات کو بار بار دوہرایا جاتا ہے جو سراسر انکی حماقت پر دلالت کرتا ہے۔ اگر کوئی نئے اعتراض اپنے خلائے ذہن سے نکال کر پیش کریں۔ تو ہم بھی ٹھنڈے دل سے جواب دینے کو طیار ہیں۔ مگر جنکا صرف شرارت اور دوسروں کو دکھہ دینا ہی مقصود ہو۔ تو بھلا اس کے لئے سوائے عمل جراحی کے اور کونسا علاج ہے۔ خیر سے
یاں وہ نسخے نہیں جنہیں ترشی اتر دے۔ سنئے

اسلام کی تعلیم کے مطابق روحانی حفاظت اور پرورش کا انحصار جسمانی حفاظت پر ہے۔ یعنی اگر انسان بکا پھرے تو ضرور ہے۔ کہ اسکی روح پر اسکا بد اثر پڑے اور اسکو بدتہذیب بنائے حیوانوں چارپایوں کی طرح اسکے افعال ہونگے۔ یا خوراک کلوا واشربوا ولاتسرفوا کے حکم کے برخلاف کہائی جائے۔ تو ضرور اسکی روح بھی اعمال سے گر جائے۔ یعنی اگر انسان ہر وقت گوشت ہی کہاتا ہے۔ تو ایک دن آئیگا کہ وہ زمانہ قدیم کے مرہٹوں اور راجپوتوں سے بھی زیادہ قسی القلب اور جہل کا مرکب ہوگا۔ یا اگر انسان گہے اور ہاتھی وغیرہ کی طرح صرف سبزی پر ہی زور دے۔ تو وہ ضرور آریہ ورت کے باشندوں کی طرح نزول زور اور نحیف البدن ہوجائیگا۔ سو اس لئے قرآن کریم ہمیشہ فطرت کے مطابق تعلیم دیتا ہے۔ کہ کہاؤ اور پیو مگر اتنا نہ کہ لگے پیٹ اٹھنے تمہارا اپھر کے بلکہ اعتدال کو ملحوظ خاطر رکھو۔

مذکورہ بالا امثال سے یہ بات تو پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے۔ کہ خوراک کا

اثر روح پر ہوتا ہے۔ اب سوال یہ ہے۔ کہ خوراک کی اصل غرض اور علت غائی کیا ہے؟ سو اسلام کی رو سے خوراک اور پوشاک کا اصل منشا ایک تو عبادت الٰہی کا مکمل کرنا ہے۔ دوم جسم کی حفاظت ہے تا انسان وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون پر عمل کرنے کے قابل رہ سکے۔

مشاہدہ ایک ایسی دلیل ہے جو ہر کس و ناکس کو تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ سو پہلے ہم مشاہدہ کی رو سے ہی اپنے پیارے ہمعصر کو سمجھاتے ہیں۔ کہ جب ہم خوراک جسم کی تربیت اور اس کی طاقت بڑھانے کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ تو ہم کو ضرور ایسی غذا استعمال کرنی پڑیگی جس سے ہمارے ہر دو اغراض پورے ہوں۔ سو اب ہم نے یہ دیکھنا ہے۔ کہ دنیا بھر میں سے کونسی اقوام زیادہ طاقتور اور شجاع اور مہذب ہیں۔ اور کیا خوراک وہ استعمال کرتے ہیں۔ اور کونسی زیادہ کمزور اور بزدل اور بدتہذیب ہیں۔ سو اس سوال کو حل کرنیکو ہم دور کیوں جائیں۔ اسی آریہ ورت کی

تواریخ کو ہم لیں۔ جہاں دنیا سے بڑھکر گھاس خوروں کی تعداد موجود ہے۔ تو اب ہمیں یہ مسئلہ نہایت آسانی سے حل ہو گیا ہے۔ کہ یہ ہمیشہ گوشت خور اقوام سے مغلوب اور مفتوح ہی ہوتے رہے۔ اور ذلتیں اٹھاتے رہے ہم مخالفین کی طرح تعصب اور ضد سے بھی کام نہیں لیتے۔ بیشک ہم جانتے ہیں۔ کہ بعض قدیم ہندو راجہ فاتح بھی ہوتے رہے۔ جیسے راجہ رام چندر جی اور سری کرشن جی مہاراج جنکو شکار کا از حد شوق تھا۔ اور تیر و کمان اور تیغ و سنان ہر وقت اپنے ساتھ ہی رکھتے تھے۔ اور راون جیسے زبردست راجہ اور کورو جیسے قوی دشمن پر فتحیاب ہوئے۔ بلکہ بابا نانک جی جیسے بزرگ انسان بھی جنکا نظیر اہل ہنود میں تا حال ملنا محال ہے۔ مچھلیوں کا شکار بڑے شوق سے کرتے

تناسخ کا مسئلہ کے رو سے گائے یا بکری کو ذبح کرنا اسکو عذاب سے چھڑانا ہے اور پھر عذاب کو چھڑانا نہ سے رحم ہوا نہ کہ ظلم۔

اور ان کو بھون کر کہاتے تھے۔

مجھے امید ہے۔ کہ اس مذکورہ بالا تمہیدی عبارت ایک سلیم الطبع روح کیلئے کافی تسلی بخش ہے۔ مگر اب ہم نمبروار بھی معترض جدید کے خیالات باطلہ کی تردید کرتے ہیں۔

سوال نمبر۱ اگر ایک آدمی چند کھلونے بنا دے اور دوسرا انکو توڑ دے تو بنانے والے کو رنج ہوگا۔ الخ

جواب معترض کا مطلب معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ اللہ تعالےٰ نے تمام جانداروں کو مٹی کے کھلونوں کی طرح بنایا ہے۔ ان کے توڑنے سے اللہ تعالےٰ کو رنج ہوگا۔ تو اس کے جواب میں یہ عرض ہے۔ کہ پہلے خداوند تعالےٰ کی مقدس ذات کو جو لیس کمثلہ شئی ہے۔ ضعیف انسان سے تمثیل دینا معترض صاحب کی عقل پر دال ہے۔ کیونکہ وہ احسن الخالقین ہے۔ اور اسکی ملکیت میں کسیطرح کوئی کمی کسیوقت بھی نہیں ہوتی۔ معترض کو یہ سوچنا چاہئے تھا۔ کہ اگر سرسبز درختوں اور انکے پھلوں کے لینے اور گائے بھینس کا دودھ (جو بچھڑے اور گائے کو ناراض کرکے زبردستی چھینا جاتا ہے۔) لینے سے خدا ناراض نہیں ہوتا۔ تو ان تمام اشیا کا جنمیں سے ایک گوشت بھی ہے۔ ہمارے جائز طور پر استعمال کرنے سے کیوں ناراض ہونے لگا ہے۔ بلکہ وہ خوش ہوگا کہ ہم اس اپنے سے کمترین مخلوقات کو اپنی اشرف المخلوقات جسم کا جزو بنانا پسند کرتے ہیں۔

اللہ تعالےٰ نے انسان کی فطرت بھی ایسی ہی رکھی ہے۔ کہ اندر رحم میں بھی خون اور لوتھڑے سے ہی اسکی پرورش ہوتی ہے۔ اور انہی چیزوں کا گوشت مرکب ہوتا ہے۔ دودھ اور گوشت کا ایک ہی منبع ہے صرف ہیئت

کا فرق ہے۔ افسوس ہے کہ معترض کو یہ رو کہا کیوں لگا۔ میں نے بچشم خود کئی ایک آریہ ایسے بھی دیکھے ہیں جو اسی افراط رحم کی وجہ جیسا اب معترض کے دل میں جوش مارتا ہے۔ گھی دودھ اور جوتے وغیرہ سے بھی بالکل محروم ہیں اور تیل وغیرہ پر گذارہ کرتے ہیں۔ اب ایسے نادانوں کی پیروی کرنا خواہ نخواہ گڑھے میں ہی گرنا ہے +

(۲) سوال آدمی کو جاندار کے ذبح کرنیوقت موت کا خیال نہیں آتا جس وقت وہ کسی جاندار کو اپنے ہاتھ سے ذبح کرتا ہے۔ اگر اسی کا نام اشرف المخلوقات ہے۔ تو اس سے بڑھکر اسفل الحیوانات کوئی اور نہیں ہے

الجواب۔ معترض کو معلوم نہیں کہ ہمیں مشاہدہ کی رو سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر چھوٹی چیز بڑی چیز پر قربان ہوتی رہتی ہے۔ بلکہ بڑا ہی بیوقوف ہے وہ شخص جو اعلے درجے کی چیز کے حصول کی خاطر ادنی چیز کو قربان نہیں کرتا انبائے روزگار یعنی اہل ہنود کو خصوصاً زر و مال سے از حد پیار ہے۔ مگر بیماری اور دیگر مصائب زر کو پانی کی طرح بہاتے ہیں۔ کیا اسپر کوئی بیوقوف اعتراض کر سکتا ہے؟ اسیطرح انسان کے لئے موت کو یاد کرنے کا ایک یہ بھی طریق ہے۔ کہ ایسی جانکنی کے وقت کو اپنے سے ادنئے درجے کی چیز یعنی بکری وغیرہ کو ذبح کرکے یاد رکھے۔ اگر کوئی ناداں یہاں پر یہ اعتراض کرے۔ کہ جاندار تمام یکساں ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ صرف انسان ہی ہے۔ جو اشرف المخلوقات ہے باقی اس کے بطور خادم کے ہیں۔

دوم اگر معترض کے خیال میں ہر جانداروں کو ذبح کرنا ہی اشرف المخلوقات ہونے کا منافی ہے۔ تو اسکو یقین کر لینا چاہیئے کہ دنیا میں کوئی قوم بھی ایسی نہیں۔ بلکہ کوئی فرد بھی ایسا نہیں جس نے ہزاروں جانوں کو تلف نہ

کیا ہو خصوصاً ہند کی قدیم جنگیں مثلاً کورو و پانڈو اور رام چندرجی اور راؤں کی لڑائیاں اس بات کی تصدیق کرتی ہیں۔ اگر انہیں بھی گوشت خوری کے مخالفوں خاصکر ہمارے معترض کی طرح رحم کا مادہ ہوتا تو وہ تمام تباہ ہی ہو چکے تھے * اور جوکوں اور سانپوں وغیرہ کی جانوں کو اگر تلف نہ کیا جائے تو یقیناً وہی رحم اپنے اوپر غضب کی صورت میں اٹھانا پڑیگا۔ ویدوں میں بھی اندر وغیرہ دیوتاؤں سے پرارتھنا کی گئی ہے کہ ہمارے مخالفین کو ہلاک کر۔ کیا اس وقت اپنی موت اور اپنے اہل وعیال واقربا کا فراق میں لوٹنا یاد نہیں آیا۔ مگر نہیں اسکا بندوبست بھی ویدنے ہی خود ہی کر دیا ہے۔ کہ وہاں ان دیچہ سب کو مارنیکا حکم ہے۔ کیونکہ نہ انکو رونے والا باقی بچیگا۔ اور نہ جدائی کی مصیبت میں گرفتار ہوگا۔

سوال گوشت کھانا دماغ کو کمزور، کند اور آدمی کو کاہل وجود بناتا ہے اور حرارت کو تیز کرتا ہے۔ جو شہوت کا باعث ہے۔

الجواب۔ تمہیدی عبارت میں بیان کر چکا ہوں کہ از روئے قرآنی تعلیم کے گوشت خوری کی کثرت مضر رساں ہے گوشت ہی نہیں بلکہ تمام اعلےٰ سے اعلےٰ خوراک کی بے اعتدالی ان کمزوریوں اور بیماریوں کا موجب ہے۔ مگر اس کا اعتدال شجاعت ہمت اور استقلال اور قوائے جسمانی کو طاقت بخشتا ہے۔ اور دماغ کی کمزوری ودھ کرتا اور عقل کو بڑھاتا ہے۔ تواریخ ہند سے پتہ لگتا ہے۔ کہ اہل اسلام (جو گوشت خور اور فاتح قوم ہے) کے آنے سے پہلے کوئی باقاعدہ تواریخ اور سوانح نہیں ملتی اور یہی تحریرات اور ایجادیں اعلےٰ دماغ کا نتیجہ ہوتی ہیں ہم ہر ایک گوشت نہ کھانے والے سے پوچھتے ہیں۔ کہ وہ ایمان سے کہے۔ کہ مسلمانوں اور دیگر گوشت خور اقوام

کی آمد سے پہلے ہندوستان ظلمت کدہ تھا۔ یا منبع علوم فنون۔ اگر کوئی نادان موجودہ ہند کی ترقیات کو جو محض گوشت خور قوموں کے دماغ کا نتیجہ ہیں۔ مدنظر رکھکر اسکو کہے کہ سے ۱ ے ہند تو بھی تھا کبھی دنیا کا آفتاب تو سخت جہالت ہوگی۔ ہزاروں یورپین ایجادیں اور فتوحات جو آجکل ہماری آنکھونکے سامنے ظہور پذیر ہو رہی ہیں۔ شاید گوشت خور قوم کے کمزور اور کند دماغ کا نتیجہ ہیں۔ مگر نہیں دیانندی کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے ویدک تعلیم کے اثر کے نیچے ہیں۔ یعنی ویدنے ہی اپنے گھر کو چھوڑ کر دوسرے گھر یعنی یورپ وغیرہ میں روشنی ڈالی۔ چہ عجب۔

اہل ہند کا دیس سے باہر قدم نہ رکھنا صریح ان کی بزدلی اور کاہلی پر دال ہے۔ اور عیسائیوں اور مسلمانوں کا اپنے پیارے وطنوں اور دوستوں کو خیرباد کہکر دوسرے ممالک پر شیر کی مانند حملہ آور ہونا ہی شجاعت اور استقلال پر دلالت کرتا ہے۔ تفصیل تمہید میں ملاحظہ ہو۔

اور مسلمانوں اور عیسائیوں وغیرہ نیوگ وغیرہ ناجائز طرائق کی ضرورت نہ پڑنا ان کے قوائے شہوانی کی قوت حقیقی پر بخوبی شاہد ہے + اور اہل ہنود کے ایسے شرمناک اور بے غیرت وسیلوں کا محتاج ہونا صاف دلالت کرتا ہے۔ کہ گھاس خوری سے انسان ناقص ہوتا ہے۔ میں دعوے سے کہتا ہوں کہ اگر عیسائی قوم گھاس خور ہی ہوتی تو انگلینڈ سے نکلکر اور اتنے دور دراز سمندروں کو طے کرکے ہند کی سلطنت انکو کبھی نصیب ہی نہ ہوتی +

(۴۹) سوال قرآن شریف میں غالباً کسی جگہ اللہ تعالے نے گوشت خوری کی جائز انجازت نہیں دی اور مکہ میں جوں کے مارنے کی بھی اجازت نہیں۔ حالانکہ وہ انسان کو کاٹتی اور دکھہ دیتی ہے +

(الجواب) معترض کا غالباً کا لفظ استعمال کرنا صاف ظاہر کرتا ہے کہ قرآن شریف سے معترض بالکل جاہل اور بے خبر ہے۔ اسکو یہ بھی خبر نہیں کہ قرآن شریف میں گوشت خوری جائز ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کسی قانون کے ماتحت معترض بات کرنا نہیں چاہتا بلکہ اپنے خیالات فاسدہ سے زیر ہو کر جو دل میں آیا بلا سوچے سمجھے کہدیا۔

پیارے ہمعصر مندرجہ ذیل آیات قرآنی پڑھو اور پھر ایسے مجہول اعتراضات کرنے سے توبہ کرو۔ اور آریوں کی قوم پر رحم کرو۔ جو پہلے بھی مذہبی میدان میں قدم رکھکر سخت ذلیل اور نادم ہو رہی ہے۔ ؎

جو آپ ہی مر رہا ہو اسکو مارا تو کیا مارا

سورۃ مائدہ ۱ احلت لکم بھیمۃ الانعام۔ یعنی تمہارے لئے کھُر والے جانور حلال کئے گئے۔

سورۃ مائدہ ۳ احل لکم صید البحر۔ یعنی تمہارے لئے دریائی شکار حلال کیا گیا۔

النحل۔ وھو الذی سخر البحر لتاکلوا منہ لحماً طریاً۔ یعنی وہ ذات پاک ہے۔ جس نے تمہارے لئے سمندروں کو مسخر کیا تاکہ تم تازہ گوشت کھاؤ۔

دوسرا یہ اعتراض کہ مکہ میں جوں مارنے کا بھی حکم نہیں۔

معترض نے اس حکم کو عام طور پر ہونا بیان کیا ہے۔ حالانکہ یہ حکم صرف حج کے وقت تک ہی محدود ہے جسطرح روزہ رکھنے میں روٹی جو حلال طیب ہے منع کی گئی ہے۔ اسطرح اس سے بھی کوئی بیوقوف یہ بھی کہ سکتا ہے۔ کہ روٹی چونکہ منع ہے۔ اس لئے حرام ہے۔ افسوس ؎

بریں عقل و دانش بباید گریست

حج کے وقت جوں نہ مارنا شکار نہ کرنا وغیرہ۔ ایسے ممنوعات ہیں۔ جیسا کہ ایک عاشق بیقرار مجنون وار اپنے محبوب کی تلاش میں پریشان اور سرگرداں دوڑتا ہے۔ اسکو تن من کی سدھ بدھ نہیں رہتی اور ایک ہی لگن میں مست رہتا ہے۔ سو یہ تو اللہ تعالٰے نے ایک طریق سکھایا ہے۔ کہ جب تم محبوب مجازی کے لئے اسطرح دوڑ دھوپ کرتے ہو۔ اسی طرح بلکہ اس سے بھی بڑھکر میرے لئے بیقرار ہو۔ تاکہ میں بھی اذکرونی فاذکرکم کے مطابق تمہارے ساتھ سلوک کروں۔

سوال قدرت بھی ہمیں اس امر کی اجازت نہیں دیتی۔ کیونکہ ہمارے دانت اور ناخن چیرنے پھاڑنے کے ڈھب کے نہیں ہیں۔ اگر ہم قدرتاً گوشت خور پیدا ہوتے۔ تو مذکورہ علامات شل شیر چیتے بلی وغیرہ کے ہونی چاہئے تھیں۔

الجواب بالکل غلط ہے۔ قدرت نے چار دانت جس کو انگریزی میں Dogteeth بھی کہتے ہیں۔ محض گوشت کے چیرنے پھاڑنے کیلئے بنائے ہیں۔ بلکہ اس سے بڑھکر گوشت کے کھانے کی طرز نکالنے کو عقل بھی عطا فرمائی ہے۔ گوشت کھانے میں دانت اور عقل لازم ملزوم ہیں۔ یعنی دانت اس قسم کے بنائے ہیں۔ جس قسم کا انسان عقل کے ذریعے تیار کر کے مہیا کر سکتا ہے۔ چونکہ انسان کو اشرف المخلوقات بنانا مقصود تھا۔ اس لئے اس کی ہر ایک چیز اسی کی زینت اور خوبصورتی کے کے مطابق مزین کی۔ احمق ہے۔ جو خدا کی طرز خلقت پر بوجہ جہالت کے اعتراض کرے گھاس خور جانوروں کو ہم دیکھتے ہیں۔ کہ ان کی گردن لمبی اور لیٹوئیں ہوتی ہے۔ تاکہ ان کو گھاس وغیرہ چرنے میں آسانی ہو

کیا کوئی بیوقوف یہاں یہ کہ سکتا ہے۔ کہ انسان کے اعضا کی طرز گھاس خوری کے موافق ہے۔

(۲) سوال اگر گوشت خوری روا ہے۔ تو لوگ اسکو کچا بدوں نمک مرچ لگائے کیوں نہیں کھاتے۔ ہاں ملک حبش میں ایسا کرتے ہیں۔ لیکن وہ لوگ تہذیب سے بعید ہیں۔ ننگے پھرتے ہیں۔

الجواب اب اس خیال کے اظہار کرنے وقت معترض کچھ تذبذب میں پڑ گیا ہے۔ کیونکہ اس قسم کا اعتراض پہلے کر چکا ہے۔ اب کچھ مبہوت سا ہو گیا ہے۔ یعنی خود ہی سوال اٹھایا اور خود ہی بلکہ اس کی کانشنس نے اس کو جواب دیا کہ وہ حبشی بدتہذیب ہوتے ہیں۔ اس لئے بدوں نمک مرچ لگائے کھاتے ہیں۔ دروغ گو را حافظہ نباشد اس کا جواب میں نمبرہ سوال کے جواب میں دے چکا ہوں۔ پھر کہتا ہوں۔ کہ غیر مہذب عقل میں مانند چارپایوں کے ہوتا ہے۔ اور مہذب عقل سے کام لیتا ہے۔ اس لئے عاقل انسان اسکو طیب حلال بنا کر کھاتا ہے۔ اس پر اعتراض ہی کیا ہوا۔ شاید راقم مضمون نے کبھی روٹی پکا کر نہیں کھائی۔ بلکہ چھلکوں سمیت گیہوں کھاتا ہے۔ اور کچا ساگ بغیر نمک مرچ کے کھاتا ہے۔ اگر اسکو پکاتا ہے۔ تو پھر گوشت کے پکانے پر اعتراض کیا ہے۔

(۷) سوال اہل اسلام گوشت خوری روا رکھتے ہیں۔ تو جھٹکا کیوں نہیں کھاتے۔ حلال شدہ میں کیا فرق ہے۔ جانور ہر دو صورتوں میں مردہ رہ جاتا ہے۔

الجواب۔ سوال مذکورہ سے معترض کا یہ مطلب حاصل ہوتا ہے۔ کہ

حلال کرنے میں یعنی خدا کا نام لیکر ذبح کرنے سے کیا فائدہ ہے۔ اسکو معلوم نہیں کہ اسلام انسان کو سکھلاتا ہے۔ کہ قل ان صلوٰتی ونسکی ومحیای ومماتی اللہ رب العالمین یعنی تمام جینا مرنا کھانا پینا عبادت کرنا سب خدا کے لئے ہی ہو۔ کسی اوتار یا بت یا سورج چاند وغیرہ کے لئے نہیں بہاسلئے منع فرمایا۔ کہ بتوں پر چڑھاوا نہ چڑھایا جائے۔ جو مرض کہ ہند میں کثرت سے پھیلا ہوا ہے۔ انہی کے آباد اجداد تھے۔ جن کے لئے اللہ تعالےٰ کو موسےٰ کی معرفت انکی معبود گائے ذبح کرانے کی ضرورت پڑی۔ یعنی اس کے ذبح کرانے سے خدا کا یہ مقصود تھا۔ کہ کسی طرح یہ شرک کو خود توڑیں اور اس عاجز معبود کو ذبح کرکے دیکھیں کہ یہ عاجز گائے معبود ہونے کے لایق نہیں۔

دوم معترض اگر کسی حکیم یا ڈاکٹر سے مردار اور خود حلال کئے ہوئے جانور کا فرق پوچھتا تو یہ اعتراض نہ کرتا۔ جانور کو اسلام کی ہدایت کے مطابق ذبح کرنے سے اس کا زہریلا خون جو سراسر نقصان دہ ہوتا ہے۔ شاہ رگ سے نکل جاتا ہے۔ اور اس طرح گوشت ان زہریلے مواد سے بالکل پاک وصاف ہوجاتا ہے۔

معترض صاحب کو یقین کرلینا چاہیئے۔ کہ گوشت خوری کے برخلاف کوشش کرنے سے اس خالق مالک پر نعوذ باللہ سخت الزام ٹھہرتا ہی جس نے تمام دنیا کو سوائے چند معدودے گھاس خور جانور اور ہندوں کے گوشت خوری پر مائل بنایا۔ دنیا کا ¾ حصہ پانی بیان کیا جاتا ہے۔ اور ¼ حصہ خشکی اب آبی پیدائش تمام کی تمام گوشت خور پاپی ہے۔ اور ¼ حصہ میں سے صرف چند اہل ہنود جو آریہ کی گھاس پارٹی کہلاتے ہیں۔ تمام

گوشت خور ہیں افسوس۔ سخت افسوس ہے

اب بھی اگر نہ سمجھو تو سمجھائیگا خدا

والسلام علے من اتبع الہدیٰ۔

(فخر الدین صادق ملتانی)

ریویوز

ذوالفقار علی برگردن یونقی

یہ کتاب میر قاسم علی صاحب کی طرف سے حال ہی میں نور حیدری کے جواب میں شائع ہوئی ہے۔ اسمیں میر صاحب موصوف نے غلام حیدر لاآریہ کی لاف گزاف کا اچھی طرح جواب دیا ہے۔ اور ثابت کیا ہے کہ اسکی کل دعاوی بالکل غلط اور بے بنیاد ہیں اور یہ کہ اُنکی کوئی اصلیت نہیں اور خود اسکی تحریر سے ثابت کیا ہے کہ اُس نے اپنی کتاب میں بہت کچھ جھوٹ سے کام لیا ہے چنانچہ واقعات صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ جو سفر نامہ اُس نے اپنا لکھا ہے اسمیں خود اُسکی بیان کے مطابق کم سے کم سترہ برس خرچ ہونے چاہئیں لیکن اس نے سفر سنہ ۱۹۰۴ء میں شروع کیا ہے۔ تو گویا چھ برس کی مدت میں اپنا سترہ سال کا سفر نامہ پیش کر کے خود اپنی دروغ بیانی پر مہر لگا دی ہے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے۔ کہ صرف بغداد میں ہی دس سال رہا حالانکہ سنہ ۱۹۰۴ء سے ابھی تک کل چھ ہی برس گزرے ہیں۔ اور پھر اسکے دعاوی شرافت خاندانی اور دولت تبحر علمی پر بھی خوب روشنی ڈالی ہے۔ اور مختلف سوالات کے حل کیلئے تین سو روپیہ کا انعام بھی مقرر کیا ہے کتاب واقعی قابل دید ہے جو صاحب دینی ہمدردی کیلئے اس کتاب کو ضرور خریدنا چاہیں۔ میر قاسم علی صاحب ایڈیٹر الحق پرانی بھول کی منڈی دہلی سے طلب کریں بائبل کا پوجاری۔ یہ کتاب میاں رحیم بخش صاحب نو مسلم کی تحریر ہے آپ ایک خاص جوش سے تبلیغ کے کام میں مشغول ہیں اور چونکہ مسیحیت سے خوب واقف ہیں اس لئے اُنکی کتب اس مذہب کے بارہ میں ایک حد تک مفید ہو سکتی ہے قیمت ڈیڑھ آنہ ہے مصنف سے قادیاں کے پتہ سے ملسکتی ہے۔

سے بھی یہ اعتراض نہیں پڑ سکتا۔ کہ اس سے گناہوں کی تحریک ہو گی بلکہ یہ تو گناہوں کی بیخکنی ہے اور دوسرے یہ بات بھی نظر انداز کرنیکے قابل نہیں کہ ساتھ ہی فرماتا ہے واصلح یعنی نہ صرف زبانی توبہ کرے۔ بلکہ اس حد تک وہ توبہ بڑھ جائے کہ اس کا اثر آکر بدن پر بھی پڑے۔ اور اس توبہ کرنیوالے کے اعمال بھی اسبات پر گواہی دیں کہ واقعی وہ صادق ہے۔ اور اپنے دعوے میں مفتری نہیں اور وہ کوشش کرے کہ اس نے جو کچھ کیا تھا۔ اس کی اصلاح ہو جاوے اور نیکی میں اس قدر غلو کرے کہ اس سے اسکے پچھلے اعمال بھی دھوئے جائیں مثلاً ایک شخص اگر بخیل تھا تو یہی نہیں کہ اپنا بخل چھوڑ دے بلکہ کامل توبہ تب ہو گی کہ وہ سخاوت بھی اختیار کرے۔ بلکہ اور کو بھی اس طرف مائل کرے تب بیشک وہ اس قابل ہو گا۔ کہ اس کے پچھلے گناہوں پر چشم پوشی کی جائے۔ اب بتاؤ کہ کیا اس تعلیم سے گناہ پھیلتا ہے کہ رکتا ہے۔ آیا وہ شخص جو توبہ کی تعلیم کے ماتحت بخل سے اس قدر بچکر سخاوت کا محرک ہوا ہے گناہ کا پھیلانیوالا کہلائیگا یا دور کرنیوالا

قبولیّت توبہ پر تیسرا اعتراض

ایک اور اعتراض توبہ کے قبولیّت پر آریوں کی طرف سے یہ سنا جاتا ہے کہ جو ہو گیا وہ ان ہوا کسطرح ہو سکتا ہے کیونکہ جس شخص نے ایک گناہ کیا فرض کرو کہ کسی کے گھر چوری کی تو اگر وہ توبہ کرے تو یہ کس طرح ممکن ہے کہ اسکا وہ فعل رہے ہی نہ اور اسکا وجود ہی معدوم ہو جائے کیونکہ جو کچھ ہو چکا وہ اب واپس لوٹ نہیں سکتا۔ پھر توبہ کے قبول کرنیکے کیا معنے کیونکہ جب ایک گنہگار ایک کام کر چکا۔ تو اُسے یہ کہنا کہ اسنے کیا ہی نہیں کیا غلط اور خلاف عقل طریق ہے

گو کہ یہ اعتراض آریوں کی طرف سے اکثر سنا گیا ہے مگر مجھے آجتک معلوم نہیں ہو سکا کہ یہ کس دماغ سے نکلا ہے۔ قرآن شریف ہرگز کہیں نہیں کہتا کہ جس شخص نے گناہ کیا اور اس کے بعد توبہ کر لی اور وہ توبہ قبول ہو گئی تو اس شخص کا گناہ ایسا محو ہوا کہ یہ مت کہو کہ اسنے گناہ کیا تھا بلکہ کہو کہ اس سے کوئی گناہ سرزد نہیں ہوا۔ بلکہ قرآن شریف نے تو اُسکا نام ہی غفران رکھا ہے یعنے ڈھانپ دینا۔ اور بار بار فرمایا ہے کہ ان اللہ غفور رحیم ؕ جس سے معلوم ہوا کہ خدا تعالےٰ اُس گناہ کو ڈھانک دیتا ہے۔ چنانچہ ہم روزانہ دیکھتے ہیں کہ جن لوگوں کے گناہونکو ہم بخشتے ہیں یہ نہیں کہ لکڑی سے یا چاقو سے انکے گناہونکو کھرچ دیتے ہیں بلکہ انکے گناہوں کے نتیجے سے انکو بچا لیتے ہیں۔ مثلاً ایک نوکر ہم کو ناراض کرے اور ہمارا کوئی کام خراب کر دے مگر پھر توبہ کرے اور اپنی غلطی کا اقرار کرے اور اپنی سچائی کو پوری طرح سے ظاہر کر دے اور ثابت کر دے کہ بیشک اب وہ سخت پشیمان ہے تو ہم اسکا کوئی اپریشن نہیں کرواتے نہ اسپر کوئی عمل جراحی کرتے ہیں کہ جس سے اسنے جو کچھ قصور کیا تھا وہ معدوم ہو جائے بلکہ یہ ہی کرتے ہیں کہ جو اس نے کیا تھا اسکے نتیجہ سے اسکو بچا لیتے ہیں۔ اور سزا نہیں دیتے۔

خود لفظ توبہ کے معنے ہی رجوع کرنیکے یعنی جب انسان کچھ قصور کرتا ہے تو پھر وہ اپنی غلطی کا اقرار کرتا ہے اور اپنی پہلی حالت کی طرف رجوع کرتا ہے اور اسوقت مالک بھی اپنی مہربانی کی طرف لوٹ آتا ہے اور پھلا سا سلوک کرنے لگتا ہے پس توبہ کے قبول ہونیکے یہی معنی ہیں۔ کہ خدا تعالےٰ اس فعل کی جو انسان سے سرزد ہوا تھا۔ سزا نہیں دیتا بلکہ اپنی پہلی مہربانی پر لوٹ آتا ہے پس اس سے تو قطعاً یہ نہیں پایا جاتا۔ کہ اس سے گناہ سرزد نہیں ہوا۔ بلکہ یہ معلوم ہوا کہ انسان نے گناہ کر کے پشیمانی ظاہر کی اور خدا تعالےٰ نے اس کی پردہ پوشی کی۔

اور سزا سے بچا لیا - اور اسپر کوئی اعتراض نہیں پڑ سکتا لوگ ہمیشہ گناہ کرتے ہیں اور شریف اور محسن آقا انکے گناہ بخشا ہی کرتے ہیں - ابھی بادشاہ جارج پنجم کے تخت نشین ہونے پر پانچسو سال کی قید معاف کی گئی ہے - کیا گورنمنٹ نے انکے قصور کسطرح مٹا دئے تھے یا کسی خاص اوزار سے چھیل دئے تھے اگر گورنمنٹ بغیر کسی وقت کے یہ کام کرسکتی ہے تو کیا اللہ تعالےٰ ہی لوگوں کے پچھلے گناہ معاف نہیں کرسکتا - اور اگر کرے تو اسی صورت میں کہ پہلے کسی ہتھیار سے انکے گناہوں کو چھیل دے افسوس اور تعجب ہے اس قسم کے معترضین پر -

چوتھا اعتراض توبہ کی قبولیت پر

توبہ کی قبولیت پر ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ اگر توبہ واقعی قبول ہوتی ہے تو چاہیئے کہ ایک زانی جب توبہ کرے تو زنا کے سبب سے جو آتشک یا سوزاک اُسے ہو گیا تھا وہ دور ہو جائے - اسی طرح دوسرے نتائج جو گناہ کی وجہ سے بھگت رہا ہے اُن سے نجات پا جائے مگر واقعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایسا نہیں ہے بلکہ آتشک کا مریض ہزار توبہ کرنے پر پھر بھی اُسی مرض میں گرفتار رہتا ہے یا کسی اور گناہ کی وجہ سے اُسے کوئی صدمہ پہنچ گیا تھا تو وہ بھی موجود رہتا ہے دور نہیں ہوتا تو ہم کسطرح مان سکتے ہیں کہ توبہ کا کوئی اثر ہے اور واقعی اس سے انسان بدی کے نتائج سے محفوظ ہو جاتا ہے -

یاد رہے کہ انسان دو چیزوں سے مرکب ہے ایک جسم سے اور ایک روح سے اور دونوں کے الگ الگ کام ہیں اور الگ الگ طریق سے وہ اپنی غذائیں حاصل کر رہے ہیں ہر ایک کی بیماریاں الگ ہیں اور انکے علاج بھی پھر الگ الگ ہی ہیں ایک کسی بات سے فرحت حاصل کرتا ہے تو دوسرا کسی

اور یہی بات ہے مگر باوجود اسکے چونکہ آپس میں دونوں کے تعلقات بہت ہیں اور مضبوط ہیں۔ اسلیئے شدت فرح یا شدت غم میں ایکدوسرے پر اثر کرتے ہیں چنانچہ بعض لوگ کوئی خوشی کی خبر سن کر ہوٹے ہوجاتے ہیں یا غم کی خبر سن کر کمزور ہو جاتے ہیں اور ضعف محسوس کرنے لگتے ہیں۔

اسی طرح گناہ دو قسم کے ہوتے ہیں ایک تو وہ جو خالص روحانی ہیں۔ اور انکا اثر جسم پر آکر نہیں پڑتا۔ اور ایک گناہ وہ ہیں کہ جن میں روح اور جسم دونوں شریک ہوتے ہیں پس جن گناہوں میں کہ جسم و روح دونوں شریک ہوتے ہیں۔ انمیں اکثر دونوں کو ہی سزا ملتی ہے پس جو شخص توبہ کرتا ہے اگر اسکو جو سزا ایسی ملتی ہے صرف روحانی ہے تو اس کے لیئے اپنے اعتقاد کی درستی اور سچی توبہ کرنی ضروری ہے اور اگر یہ توبہ اپنی حد کو پہنچ جائیگی تو اسکا گناہ بخشا جائیگا۔ اور وہ اپنے دل میں ایک فرحت محسوس کرنے لگے گا لیکن اگر وہ گناہ جسم و روح دونوں سے مشترکہ سرزد ہوا ہے تو چاہیئے کہ دونوں ہی ملکر توبہ کریں اور اگر اسصورت میں توبہ کامل ہوگی تو دونوں سزا سے محفوظ ہو جائینگے اور اگر روحانی توبہ کامل اور جسمانی ناقص ہوگی تو روح تو بچ جائیگی لیکن جسم اپنی سزا بھگتتا رہیگا۔ مثلاً ایک شخص نے زنا کیا تو ایک تو اسکی روح نے خدا تعالےٰ کا گناہ کیا اور ایک اسکے جسم نے کہ وہ بھی روح کے شریک حال ہوا۔ پس ایک تو وہ خدا تعالےٰ کے حضور میں گنہگار رہ کر روحانی عذاب کا مستوجب ہوگا۔ خواہ وہ یہاں ملے یا آخرت میں اور ایک سزا اسکے جسم کو ملے گی اور وہ آتشک یا سوزاک کی شکل میں ہوگی۔ پس اگر ایسا شخص توبہ کرتا ہے تو اگر اس کی توبہ کامل ہے یعنے اس نے پورے طور سے اپنے گناہوں کی معافی بھی چاہی اور سچے دل سے علاج بھی کروایا تو ایسا شخص اس گناہ کی سزا سے بچ جائیگا اور اگر اس نے روحانی توبہ تو نہ کی۔ مگر

علاج کروایا اور وہ اپنی حد کو پہنچ گیا تو اسکا جسم سزا سے بچ جائیگا۔ یعنی آتشک سے وہ نجات پا جائیگا مگر اس کی روح اب بھی گنہگار رہیگی اور اگر روحانی توبہ کامل ہوگی اور علاج میں کسی وجہ سے نقص رہا۔ تو روح بچ جائیگی۔ مگر جسم سزا بھگتتا رہیگا۔

پس چونکہ جسم اور روح الگ الگ حصّہ ہیں اور ان دونوں کے علاج الگ الگ ہیں اسلیئے دانا انسان وہی ہے کہ جو توبہ کیوقت خیال رکھے کہ میںنے گناہ صرف روحانی کیا ہے یا اس میں میرا جسم اور روح دونوں شامل تھے اور میں جسمانی اور روحانی دونوں سزا میں بھگت رہا ہوں پس اگر وہ دونوں حصوں میں سزا محسوس کرتا ہے تو دونوں کا علاج الگ الگ طریق سے کرے اور وہ یہی ہے کہ روح کا علاج روحانی کرے اور توبہ و استغفار سے کام لے اور جسم کا جسمانی یعنی طبی علاج کرائے

پس جو شخص صرف توبہ و استغفار سے کام لیتا ہے اور اُس کے جسم نے جو گناہ کیا تھا اس کی تلافی نہیں کرتا تو ایسا شخص اگر اپنی جسمانی سزا سے نہیں بچا تو اسلام کے بتائے ہوئے توبہ کے مسئلہ پر کوئی اعتراض نہیں پڑ سکتا کیونکہ اس شخص کی توبہ تو کامل ہی نہیں ہوئی کیونکہ اس نے خدا تعالیٰ کے بتائے ہوئے راستہ کو یعنے طبّی علاج کو ترک کیا اور اسے اختیار نہیں کیا۔ پس ضرور ہے کہ جس حصہ میں اسکی توبہ ناقص رہی ہے اس میں وہ سزا پائے۔

لیکن جیسا کہ میں اوپر لکھ آیا ہوں چونکہ روح کا جسم سے کمال درجہ کا تعلق ہے اسلیئے بعض وقت روح کا اثر آکر جسم پر بھی پڑ جاتا ہے اور کوئی بات روح پر کمال درجہ کا اثر کرے تو اکثر دیکھا گیا ہے کہ جسم بھی اس سے متاثر

ہوجاتا ہے۔ اسلیئے جن لوگوں کی توبہ اس حد کو پہنچ جاتی ہے کہ روح شدت اثر سے تڑپ اٹھتی ہے اور وہ توبہ کی ضروری شرط عمل صالحہ سے بھی کام لیتے ہیں۔ اور اپنی اصلاح کامل طور سے کر لیتے ہیں۔ اور انکے دل میں ایسی تڑپ پیدا ہوجاتی ہے کہ نہ صرف پچھلے گناہوں کی ہی تلافی ہوجاتی ہے بلکہ آیندہ کے لیئے بھی انکے خدا تعالیٰ سے ایسے تعلقات پیدا ہوجاتے ہیں۔ کہ وہ غیر منقطع ہوتے ہیں تو اُسصورت میں دیکھا جاتا ہے کہ روحانی توبہ ہی جسم پر آکر اثر کرتی ہے اور بغیر کسی جسمانی علاج کے وہ لوگ اپنے جسمانی دکھوں سے بھی نجات حاصل کر لیتے ہیں چنانچہ اس کی مثالیں بزرگانِ اسلام کی لائف میں بکثرت ملتی ہیں بارہا ایسا ہوا ہے کہ بعض لوگوں کی توبہ جب کمال درجہ کو پہنچ گئی تو نہ صرف ان کی روح نے ہی نجات پائی بلکہ اس دنیا میں اسکا اثر نمودار ہوا۔ اور وہ دکھ جو انکے پچھلے گناہوں کی وجہ سے انکا جسم بارہا اٹھاتا وہ بھی خود بخود دور ہو گئے۔ اور لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ کہ واقعی اس شخص کی توبہ نے اپنا اثر کیا۔ ہمارے حضرت مرزا صاحب کی دعاؤں سے ہی ہم نے بہت دفعہ مشاہدہ کیا ہے کہ بہت سے لوگوں نے شفا حاصل کی اور روحانی بیماریوں کیساتھ جسمانی بیماریوں سے بھی نجات پائی پس یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ توبہ سے کبھی بھی جسمانی بیماریاں دور نہیں ہوئیں۔ بلکہ ہوتی ہیں اور ضرور ہوتی ہیں۔ ہاں شرط یہ ہے کہ توبہ خود اس درجہ کامل ہوجائے کہ وہ جسم پر بھی اثر کرے یا کسی کامل انسان کی دعا ساتھ ملجاوے کہ جو اسکے لیئے رحمت کا باعث ہوجائے۔ چنانچہ دیکھا گیا ہے کہ جہاں طب رہگئی وہاں توبہ و دعا نے کام نکال دیا۔ حضرت نوح علیہ السّلام کے لفظ ہی تھے۔ کہ رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا

کہ جنہوں نے آدمیوں پر ہی نہیں بلکہ حیوانوں پر بھی اثر کر دکھلایا۔ مسیح کے پاس جب اندھوں اور کوڑھیوں نے اپنے گناہوں سے توبہ کی۔ تو اُس نے انکو اچھا کیا کیا یہ جسم پر اثر نہ تھا۔ رسول اللہ کے مخالفین نے جب قحط کا عذاب پایا۔ اور گھبرا کر توبہ کی تو بارش نازل ہوئی اور بارش سے تنگ آ گئے تو بند کی گئی یہ اجسام پر ہی اثر نہ تھا کچھ اور ہمارے حضرت صاحب کے پاس کئی بیمار آئے اور آپنے اُنکو بھی توبہ کرنیکے لئے کہا اور دُعا بھی کی آخر وہ لوگ اپنے دکھوں سے بچ گئے پس کون کہہ سکتا ہے کہ توبہ سے جسمانی بیماریاں کیوں دور نہیں ہوتیں جب توبہ کامل ہوتی ہے تو ضرور ہوتی ہیں۔ مگر چونکہ انسان جسم اور روح سے مرکب ہے اسلیئے اُسے عموماً چاہیئے کہ روح کی بیماریوں کے لیئے روحانی توبہ کرے اور جسم کی بیماریوں کے لیئے جسمانی توبہ یعنی علاج اور یہی اصل اور سچّا طریق ہے ہاں خدا تعالٰے نے مخالفین کا منہ بند کرنیکے لیئے ایسی مثالیں بھی پیدا کر چھوڑی ہیں کہ صرف توبہ و دعا سے جسمانی بیماریاں بھی دور ہو جاتی ہیں اگر کوئی شپرّہ چشم انکار کرے تو اور بات ہے

پانچواں اعتراض توبہ کی قبولیّت پر

اگر توبہ کا مسئلہ ایسا ہی سچّا اور پکّا ہے۔ تو دنیاوی گورنمنٹیں کیوں مجرموں کو انکے توبہ کرنے پر چھوڑ نہیں دیتیں؟

یہ اعتراض بھی توبہ کے منکر بہت کیا کرتے ہیں۔ کہ کیوں دنیا میں لوگ ایکدوسرے کی توبہ قبول نہیں کر لیا کرتے۔ اور عدالتیں کیوں سزا دیتی ہیں کیوں نہیں مجرموں کے اقرار پر اور آئندہ احتیاط کے وعدہ پر انکو چھوڑ دیتیں یاد رہے کہ جیسا کہ پہلے میں لکھ آیا ہوں خدا تعالٰے علیم و خبیر ہے اور

اور دلوں کے بھیدوں سے واقف ہے۔ اور سچے اور جھوٹے کو جانتا ہے اور خفیہ اور پوشیدہ اسرار اسپر ظاہر ہیں اور کوئی بات نہیں جو اس سے پوشیدہ ہو خواہ سمندروں کی تہ میں کوئی چیز بیٹھی ہوئی ہو۔ یا پانیوں کی گہرائیوں میں خواہ مچھلی کے پیٹ میں خواہ عمیق کانوں میں خواہ پہاڑوں میں خواہ کوؤں میں خواہ ہواؤں میں ملی ہوئی ہو خواہ انسانی دماغ میں خیالات کے رنگ میں پوشیدہ ہو۔ خواہ آسمان پر ہو خواہ زمین میں خواہ مادی ہو خواہ غیر مادی خواہ زمانہ ماضی کی ہو یا حال کی یا استقبال کی وہ ایسا علیم ہے۔ کہ کوئی معلوم اسکے احاطۂ علم سے باہر نہیں پس اسکا توبہ کو قبول کرنا اور رنگ کا ہے۔ اور گورنمنٹ کا حال اور ہے گورنمنٹ کے جج مدعی اور مدعا علیہ دونوں کا حال نہیں جانتے۔ انکو کیا معلوم کہ آیا اپنی غلطی پر پریشان و پشیمان ہونیوالا انسان واقعہ میں سچّا اور یا شرارت کرتا اور سزا سے بچنا چاہتا ہے پس جس کو دوسرے کے ارادہ اور خیالات سے واقفیّت ہی نہ ہو تو وہ کس طرح جرأت کرکے اُسے چھوڑ سکتا اور معاف کر سکتا ہے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ وہ مجرم جسے مجسٹریٹ چھوڑ نیکی نیّت رکھتا ہو اپنے دل میں یہ ارادہ کر رہا ہو کہ اب کے چھوٹے تو ضرور ایسی احتیاط سے جرم کرونگا۔ کہ کسی کو علم ہو ہی نہ سکے مجسٹریٹ کی حالت تو بہت ہی خطرناک ہوتی ہے وہ بیچارہ تو بالکل اندھیرے میں ہوتا ہے۔ اور اصلی حالت سے ناواقف اُسے تو خود ظالم و مظلوم میں ہی امتیاز نہیں ہوتا اور محض تاریکی میں پڑا ہوا اندازوں سے کام لیتا ہے اور حاطب اللیل کی طرح خطا و ثواب دونو نکا مرتکب ہوتا ہے۔

لطیفہ ۔ کہتے ہیں کہ ایک بزرگ شہر کے قاضی مقرر کئے گئے تو ان کے دوست انکو ملنے گئے اور بڑی خوشی ظاہر کی اور مسرّت کا اظہار کیا مگر جب اندر بلائے گئے اور ان سے ملاقات ہوئی تو دیکھا کہ بڑے زور سے رو رہے ہیں

اور کثرت گریہ وزاری سے ہچکیاں بندھی ہوئی ہیں اور سانس اکھڑا ہوا ہے دوستو نے کہا حضرت اسوقت یہ رونا کیسا اور اس بے موسم کی برسات کے کیا معنے۔ یہ تو خوشی کا وقت تھا اور دعوتوں کا موقعہ آپ اسقدر گھبرا کیوں رہے ہیں اس بزرگ نے جواب دیا۔ کہ احمقو تم نہیں جانتے کہ میں کیسی خطرناک حالت میں ہوں۔ میں ایک نابینا ہوں جو دو بیناؤں کے فیصلہ کے لیئے مقرر کیا گیا ہوں اور ایک جاہل ہوں جو دو عالموں کے فیصلہ کے لیئے چنا گیا ہوں کیونکہ مدعی اور مدعا علیہ میرے پاس آئیں گے اور وہ دونوں اپنا اپنا حال خوب جانتے ہونگے کہ جھوٹے ہیں یا سچے ہیں مگر میں بالکل ناواقف اور جاہل انکا فیصلہ کرونگا۔ کیا یہ خوش ہونے اور فرحت ظاہر کرنیکا موقعہ ہے یا رنج وغم میں کڑھنے کا۔

اس لطیفہ میں جو جج صاحب کی حالت بیان کی گئی ہے۔ واقعی یہ صحیح اور درست ہے۔ اور اس میں سر مو فرق نہیں پھر باوجود اسقدر عجز کے جج کیا کر سکتا ہے۔ اور کس طرح ایک مجرم کو بخش سکتا ہے جبکہ وہ نہیں جانتا۔ کہ یہ شخص شرارتی ہے یا سچے دل سے توبہ کرتا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہو کہ کسی کے دل میں کیا مخفی ہے وہ شرارتی اور سچے آدمی میں فرق کر سکتا ہے اور دونوں کے ارادونکو جانتا ہے۔ اسلیئے وہ توبہ قبول کر سکتا ہے۔

دوسرے یہ کہ گورنمنٹ اور خدا تعالٰے کے احکام کا آپس میں مقابلہ کرنا ہی سخت غلطی ہے۔ کیونکہ خدا تعالٰے تو مالک ہے اور ہر چیز اسکی اپنی بنائی ہوئی ہے۔ اور اسکے قبضہ قدرت میں ہے برخلاف اس کے بادشاہوں اور گورنمنٹوں کے حالات اور ہیں کیونکہ وہ اپنی رعایا کے مالک نہیں ہوتیں۔ بلکہ انکے جھگڑوں اور فسادوںکے دور کرنیکے لیئے ایک ججونکی طرح ہوتی ہیں۔ اور خواہ بظاہر ایک گورنمنٹ دوسرے ملک کو بزور بازو ہی فتح کرے اور اپنا مال و دولت بھی خرچ

کرکے اس پر قابو پائے لیکن اگر غور کیا جائے تو اسکا حال ایسا ہی ہے کہ جیسے چند آدمی ملکر ایک شخص کو مقرر کردیں کہ تم ہمارا فیصلہ کیا کرو۔ تاکہ ہم میں جھگڑے اور فساد نہ پڑیں پس جیسا کہ اس شخص کا کام نہیں کہ کسی کو کچھ دیدے یا رحم کرکے معاف کرے ایسا ہی گورنمنٹ کا بھی یہ کام نہیں کہ وہ اپنی طرف سے کسی پر خاص رحم کرے کیونکہ وہ تو ایک ایجنٹ کی طرح ہے جسے پبلک نے اپنے کام نکالنے کے لئے مقرر کیا ہے اور پھر جو گورنمنٹ کی طرف سے جج مقرر ہوئے ہیں انکا تو بالکل کوئی دخل ہی نہیں کیونکہ نہ صرف وہ لوگوں کے حقوق کے مالک ہی نہیں بلکہ وہ اس کے وہ مقرر ہی اس کام پر کئے گئے ہیں کہ جیسے واقعات انکے سامنے پیش کئے گئے ہوں انکے مطابق فیصلہ کردیں اور گورنمنٹ نے انکا اختیار ہی اس حد تک رکھا ہے پس انکا مقابلہ خدا تعالےٰ سے کرنا کیسا سفیہانہ فعل ہے کیونکہ یہ لوگ تو کوئی بھی اختیار نہیں رکھتے اور پبلک سے انکا کوئی تعلق وابستہ نہیں۔ انکا فرض منصبی یہی ہے اور وہ اس بات کی تنخواہ لیتے ہیں کہ فریقین کے حالات سن کر اپنے اختیارات کے اندر اندر کسی کو چھوڑ دیں۔ اور کسی کو سزا دیدیں لیکن خدا تعالیٰ تو کسی کا مقرر کردہ نہیں ہے اور نہ وہ انکی طرح بے اختیار ہے بلکہ چونکہ اس نے انسان کو پیدا کیا ہے اور بنایا ہی اور پھر اس کی زندگی کے قایم رکھنے کے لئے اور مختلف اشیاء کو بھی خلق کیا ہے اور اس کے آرام کے لئے طرح طرح کے سامان مہیا کئے ہیں اسلیئے وہ انسان کا بلکہ ہر ایک چیز کا مالک ہے اور اسپر تصرف رکھتا ہے اور پھر بدلہ دینے کی قدرت رکھتا ہے پس اگر وہ کسی پر رحم کرے تو یہ اسکے شایان شان ہے۔ لیکن اگر جج بلا اختیار کے کسی پر رحم کرے تو گویا امانت میں خیانت کرتا ہے۔ کیونکہ وہ کام کرتا ہے جو اس کے سپرد نہ تھا اور اگر اسے اختیار ہوتا اور پھر کسی پر رحم کرتا۔ تو

اس میں کوئی حرج نہ تھا اور خدا تعالیٰ مالک ہے اسلئے اُسے رحم کرنے کا پورا اختیار ہے اور یہی وجہ ہے کہ جج عام طور پر رحم نہیں کرتا بلکہ عدل کرتا ہے اور خدا تعالےٰ عام طور پر رحم ہی نہیں بلکہ اُسکے ساتھ رحم بھی کرتا ہے پس ججوں یا گورنمنٹ کا مقابلہ خدا تعالےٰ کے ساتھ کرنا بیوقوفی ہے۔

پھر ہم دیکھتے ہیں کہ یہ بھی غلط ہے کہ گورنمنٹ رحم نہیں کرتی بلکہ گورنمنٹ کے رحم کثرت سے پائے جاتے ہیں دیگر گورنمنٹوں کو جانے دو۔ ہندوستان کی گورنمنٹ کو ہی لیلو۔ کہ جہاں مجرموں کی سزاؤں کے لیئے اور مختلف قوانین بنائے گئے ہیں۔ وہاں ساتھ ایک مد رحم کی بھی رکھی گئی ہے۔ چنانچہ صوبوں کے افسروں اور پھر وائسرائے کا اختیار ہے کہ کسی مجرم کو خاص حالات کے ماتحت معاف کردے چنانچہ بارہا دیکھا گیا ہے کہ ایک شخص چیفکورٹ تک سے مجرم قرار دیا گیا اور مستوجب سزا ہوا۔ لیکن لفٹننٹ گورنر نے یا وائسرائے نے اسکے حالات پر غور کرکے قابل رحم سمجھا اور صاف معاف کردیا۔ ابھی پیچھے لالہ لاجپت رائے اور اجیت سنگھ گورنمنٹ برطانیہ کی خاص مہربانی اور وزیر ہند کے حکم سے جلاوطنی کی سزا سے آزاد کیئے گئے۔ پھر بنگالہ کے سربر آوردہ لوگ جو محسن کشی کے خطرناک جرم میں قید کئے گئے تھے معاف کردیئے گئے۔ اور اپنے گھروں میں امن وامان سے زندگی بسر کر رہے ہیں بیسیوں قاتل چھوٹ چکے ہیں اور طرح طرح کے مجرم رحم سے فائدہ اٹھاتے رہتے ہیں خاص خاص موقعوں مثلاً تاجپوشی۔ تخت نشینی۔ جشن وغیرہ پر بھی بہت سے قیدیوں کی سزا کو معاف کردیا جاتا ہے۔ پھر یہ کہنا کہ گورنمنٹ کیوں رحم نہیں کرتی۔ کہانتک درست ہو سکتا ہے۔

جہانتک مجھے علم تہا۔ کہ توبہ کے مسئلہ پر یہ اعتراض ہُوا کرتے ہیں انکا جواب تو میں لکھ چکا ہوں۔ اب مختصراً یہ بتانا چاہتا ہوں (انشاءاللہ) کہ دیگر

مذاہب یعنی مسیحی اور آریہ اگر توبہ کے مسئلہ کو قبول نہیں کرتے تو وہ اسکی جگہ کیا تعلیم پیش کرتے ہیں۔ اور وہ کہانتک درست ہے ؟

گناہونکی معافی کے بارہ میں مسیحی تعلیم

پہلے میں مسیحی تعلیم کو دیکھتا ہوں کہ وہ انسان کے پچھلے گناہوں کی معافی کی نسبت کیا فتوےٰ دیتی ہے اور وہ ہماری تسلی کے لیئے کونسا طریقہ اختیار کرتی ہے۔

چنانچہ مسیحی کتب کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے گناہ سوائے اس کے کہ وہ مسیح کے کفارہ پر ایمان لائے نہیں معاف ہو سکتے اور جبتک وہ یہ یقین نہ کرلے کہ مریم کا بیٹا یسوع جو اصل میں خدا ہی کا بیٹا تھا اور یہ کہ وہ انسان کے گناہ اپنے سر پر اٹھا کر مظلومیت کی حالت میں مصلوب ہوا۔ تب تک نجات غیر ممکن ہے لیکن اس میں بہت سی دقتیں ہیں اول تو یہ کہ مسیحی صاحبان کے اس دعوے کے ثبوت کے لیئے سخت مشکلات ہیں۔ سب سے اول جو مشکل پڑتی ہے وہ تثلیث کا ثبوت ہے۔ یعنے وہ یہ نہیں ثابت کرسکتے کہ کفارہ تین ہیں اور کفارہ کے مسئلہ کے لیئے سب سے پہلے انکو یہی بات ثابت کرنی ضروری ہے کیونکہ جبتک تین خدا ثابت نہ ہوں تو ایک خدا کا ان میں سے مصلوب ہونا باطل ٹھہرتا ہے اور گو محض مادی اشیا اور عقلی دلائل سے خدا تعالےٰ کا وجود بھی ثابت کرنا ایک حد تک مشکل ہے لیکن اسے مان کر بھی یہ سب کائنات

عالم اگر کسی پیدا کرنیوالے کو چاہتی ہے اور چونکہ کوئی مصنوع بغیر صانع کے نہیں ہوتا۔ اسلیئے کسی صانع عالم کے وجود کا اقرار کرنا پڑتا ہے لیکن اس سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ کوئی ہستی ایسی چاہیئے کہ جو اس عالم کی خالق ہو مگر یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ ایک سے زیادہ ہستیاں ہیں اور اگر بفرض محال مانا جائے کہ وہ ایک سے زیادہ ہیں تو کیوں دو نہ مانی جائیں یا چار تصوّر نہ کیجائیں تین کی کیا خصوصیّت ہے پس مسیحی صاحبان کے لیئے اول تو تثلیث کا ثابت کرنا ہی ناممکن ہے۔ کیونکہ جو کچھ وہ ثبوت دے سکتے ہیں وہ ایک خدا کو ثابت کرتا ہے زیادہ کو نہیں اور اگر ایک سے زیادہ خدا تصوّر کئے جاسکیں تو پھر ہر ایک کو حق ہے کہ وہ دو خدا مانے یا چار مانے یا پانچ مانے اس میں کوئی ہرج نہیں۔ پس جبکہ تثلیث کا ثابت کرنا ہی مشکل ہے نہیں بلکہ اسکے لیئے کوئی دلیل بھی پیش نہیں کیجا سکتی۔ تو پھر مسیح کا کفارہ آپ ہی باطل ہو گیا اور اگر وہ مان بھی لیجائے تو اب یہ دقت ہے کہ ایک کو باپ اور ایک کو بیٹا کیوں مانا جائے۔ یہ کس دلیل سے ثابت ہے۔ کہ ایک باپ ہونا چاہیئے۔ اور ایک بیٹا اور ایک روح القدس اور کیوں نہ کہا جائے کہ تینوں باپ ہی ہیں۔ یا تینوں بیٹے ہی ہیں یا تینوں روح القدس ہی ہیں اور یہ کیوں خیال کیا جائے کہ مسیح بیٹا تھا کیوں نہ اسکو باپ تصوّر کیا جائے۔ پس تثلیث کے مسئلہ کے بعد یہ بہت سے سوال ہیں جو حل کیئے جانے ضروری ہیں اور پھر یہ سوال بھی حل کرنیکے قابل ہے کہ اگر تین ہی خدا ہیں اور ہے بھی ایک بیٹا اور ایک باپ اور ایک روح القدس تو پھر مسیح ہی کو تیسرا خدا کیوں مانا جائے اور لوگ بھی ہیں جو کہ مسیح سے بہت زیادہ کامیاب ہوتے ہیں انکو کیوں نہ خدا خیال کیا جائے۔ اور اگر مصیبتوں اور تکلیفوں کے اٹھانے پر ہی خدا کا دارومدار ہے تو ایسے لوگ بھی کم نہیں جو اپنے ملک کو ترقی دینے کے

لیئے بڑے بڑے عذاب برداشت کر کے مر گئے انکو اس مرتبہ سے کیوں محروم رکھا جائے اور اس کے علاوہ یہ دیکھنا بھی ضروری ہوگا کہ آیا خود یسوع بھی اس کے لیئے تیار تھا کہ نہیں اور اُسے اسکی مرضی سے پھانسی پر لٹکایا گیا تھا یا زبردستی اور اگر یہ سوال بھی حل ہو جائے تو پھر یہ دیکھنا ہوگا کہ آیا یسوع پھر صلیب پر مرا بھی کہ نہیں۔ کیونکہ اگر وہ پھانسی پر نہیں مرا۔ تو سب کیا کرایا خاک میں ملجائیگا اور جب اتنے سوال حل ہو جائیں تو پھر کفارہ کے مسئلہ پر انسان گفتگو کر سکتا ہو اور تب صحیح موقعہ ہے کہ اس خلاف عقل مسئلہ پر توجہ کی جائے اور دیکھا جائے کہ آیا یہ واقعہ ہوا ہے یا ہو سکتا ہے

پس میں مختصراً انہی سوالوں پر روشنی ڈالتا ہوں اور اول اسبات کو دیکھتا ہوں کہ آیا ایک سے زیادہ خدا ہو سکتے ہیں اور چونکہ مخاطب میرے اسوقت مسیحی صاحبان ہیں اسلیئے سب سے پہلے بائبل کا حوالہ دیتا ہوں کیونکہ حضرت موسیٰ اور انکے بعد کے نبیوں کی شریعت کی سچائی کے خود یسوع بھی مقر ہیں استثنا ۳۲ باب میں لکھا ہے" اب دیکھو کہ ہاں میں ہی وہ ہوں اور کوئی معبود میرے ساتھ نہیں میں ہی مارتا ہوں اور میں ہی جلاتا ہوں میں ہی زخمی کرتا ہوں اور میں ہی چنگا کرتا ہوں اور ایسا کوئی نہیں جو میرے ہاتھ سے چھڑا دے اور پھر استثنا ۴ باب ۳۵ میں ہے یہ سب تجھ ہی کو دکھایا گیا کہ تو جانے کہ خداوند ہی خدا ہے۔ اور اس کے سوا کوئی نہیں پھر یسعیاہ ۴۵ باب ۵ میں ہے میں ہی خداوند ہوں اور کوئی نہیں میرے سوا کوئی خدا نہیں پھر یسعیاہ ۴۴ باب ۸ میں ہے" کیا میں خداوند ہی یہ نہیں کہا کہ میرے سوا کوئی خدا نہیں ہے۔ صادق القول اور نجات دینے والا خدا میرے سوا کوئی نہیں میری طرف رجوع لاؤ تاکہ تم نجات پاؤ۔ اے زمین کے کناروں کے ساتھ رہنے والو کہ میں خدا ہوں اور میرے سوا کوئی نہیں یہ آیات تو وہ ہیں کہ جو

پرانے عہدنامہ سے نقل کی گئی ہیں۔ اور جن سے تثلیث کا مردود ہونا بیّن وظاہر ہے اب نئے عہدنامہ یعنی انجیل سے میں ایک آیت نقل کرتا ہوں کہ جس سے منکشف ہو جائیگا کہ خود مسیح بھی تثلیث کا منکر اور توحید کا قائل تہا چنانچہ مرقس ۲۹/۱۲ میں مرقوم ہے کہ کسی نے مسیح سے پوچھا کہ سب حکموں میں سے اول کونسا ہے "تو یسوع نے اسکے جواب میں کہا۔ کہ سب حکموں میں سے اول یہی کہ اے اسرائیل سن و[illegible]وند جو ہمارا خدا ہے ایک ہی خداوند ہے اور تو خداوند کو جو تیرا خدا [illegible]ے اپنے سارے دل سے۔ اور اپنی ساری جان سے اور اپنی ساری عقل سے ا[illegible]ور اپنے سارے زور سے پیار کر اول حکم یہ ہے" پس باوجود اس حکم کے [illegible] دیتا ہے کہ سب سے پہلے تیرا فرض یہ ہے کہ تو خداتعالےٰ کی توحید [illegible] یہ کہنا کہ خدا تین ہیں کسقدر بعید از عقل ہے!

یہ ثبوت تو وہ ہے جو خود مسیحیوں کی کتب مقدسہ میں سے میرے دعوی کی تائید میں ملتا ہے اور علاوہ اس کے خود مسیح بھی توحید کی ہی تعلیم دیتا ہی لیکن قطع نظر اس ثبوت کے عقل بھی تثلیث کی موید نہیں کیونکہ جیسا کہ میں پہلے لکھہ آیا ہوں اس عالم مادی کو دیکھکر بیشک انسان کو خیال آتا ہے کہ اسکا بنانے والا کوئی ہونا چاہیئے۔ لیکن عقل قطعاً اسبات پر گواہی نہیں دیتی کہ ایک سے زیادہ خالقوں نے اس عالم کو بنایا ہے۔ کیونکہ یا تو اس دنیا کو ایک ہی ہستی نے بنایا ہے یا بہت سی ہستیوں نے بنایا ہے۔ اور ہر ایک اُسکے ایک حصّہ کے بنانے پر قادر تہی اور دوسرے پر نہیں۔ یا یہ کہ ہر ایک ہستی اس دنیا کو پیدا کر سکتی تھی۔ لیکن اُسنے بنایا نہیں بلکہ سب نے ملکر بنایا ہے۔ سو پہلی صورت کو تو عقل تصوّر میں لاسکتی ہے اور دوسری دو صورتوں کو نہیں کیونکہ دوسری صورت میں تو خداتعالےٰ ناقص ٹھہرتا ہے۔ اور تیسری

صورت کو عقل دریافت نہیں کرسکتی۔کیونکہ ہمارے پاس کوئی آلہ نہیں کہ جس کے ذریعہ سے معلوم کرسکیں کہ یہ دنیا ایک نے بنائی ہے یا دو نے یا تین نے یا چار نے پس بہرحال یہی صورت اختیار کرنی پڑیگی۔کہ یہ سب عالم ایک طاقتور خدا نے بنایا ہے اور اسی کی موید ہیں۔وہ آیتیں جو کہ میں نے خود مسیحیوں کی کتب مقد[illegible] سے نقل کی ہیں۔پس جب خدا تعالیٰ کی توحید ثابت ہوگئی تو کفا[illegible] کے لیئے ایک خدا کے مصلوب کردینے کی گنجائش بھی باقی نہ رہی۔

اس کے بعد دوسرا سوال یہ ہے۔کہ اگر ایک سے زیادہ ہستیاں قبول بھی کرلیجائیں تو پھر اسکا فیصلہ کون کریگا۔کہ وہ دو ہیں یا تین ہیں یا چار ہیں کیونکہ اگر ایک سے زیادہ خدا ہیں تو پھر یہ بات برابر ہے کہ دو ہوں یا ہزاروں ہوں پس اسکا ثابت کرنا بھی مسیحیوں کے لیئے وقت طلب [illegible] اور جبکہ مسیحیوں کے عقیدہ کے مطابق مصلوب ہونیوالا بیٹا چاہیئے تو یہ ثابت کرنا بھی مشکل ہوگا۔کہ آیا وہ خدا آپس میں ولدیت کا تعلق رکھتے ہیں یا بھائی بھائی ہیں کیونکہ جب تک ان میں سے ایک بیٹا نہ ثابت ہولے تو مسیح کا مصلوب ہونا بیفائدہ رہتا ہے

پھر یہ مان کر کہ تین خدا ہیں۔اور ان میں سے دو کا تعلق آپس میں باپ بیٹے کا ہے۔یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیوں مسیح کو ہی بیٹا تصور کیا جائے کیا وجہ ہے کہ جب اس سے بہتر آدمی دنیا میں موجود ہیں تو انہیں ابن اللہ کا کام دیا جائے کیونکہ خدا مخلوق سے بہرحال زیادہ طاقتور ہونا چاہیئے۔پس مسیح کسی طرح خدا نہیں ہوسکتا۔کیونکہ اس سے زیادہ لایق اور زیادہ کامیاب آدمی دنیا میں موجود ہیں پس اگر ضرور کسی کو دنیا میں ابن اللہ بنانا ہے تو کیوں نہ اُنکو اسی خطاب سے پکارا جائے کیونکہ وہ اسکے زیادہ مستحق ہیں اور جب اس مقابلہ پر کوئی دوسرا شخص مسیح کو نیچا دکھائے تو پھر مسیح کی ابنیت کیساتھ کفارہ کا مسئلہ بھی خود بخود رد ہوجائیگا

اور چونکہ اس موقعہ پر میں مسیحیت اور اسلام کا مقابلہ کرتا ہوں اسلئے رسول اللہ اور مسیح کی زندگیوں کا نہایت مختصر الفاظ میں مقابلہ کر کے دکھلاتا ہوں کہ ان دونوں میں سے کسکو دوسرے پر فضیلت ہے۔ مسیح کی پیدائش جس ملک میں ہوئی ہے وہ اپنے وقت میں امن وامان کے لئے مشہور تھا۔ لیکن اسکے برخلاف رسول اللہ جس ملک میں پیدا ہوئے ہیں وہ اپنے فسادوں اور جنگوں کے لئے شہرہ آفاق تھا۔ اور ان دونوں باتوں کو مد نظر رکھکر ایک عقلمند انسان خوب سمجھ سکتا ہے کہ آپکو اس ملک کے درست کرنیکے لئے کیا کیا مشکلات پیش آسکتی تھیں اور برخلاف اسکے مسیح کس امن وچین میں تھا۔ کیونکہ یروشلم پر اسوقت رومیوں کی حکومت تھی جو کہ اپنے وقت میں قانون کی پابندی کے لئے ایک خاص شہرت رکھتے تھے اور انکے ملک میں کسی کی مجال نہ تھی۔ کہ کسی شخص پر بلا قانون کے ظلم کر سکے۔ پس مسیح کا اس ملک میں پیدا ہونا اسکے لئے بہت سی آسانیوں کا باعث تھا کیونکہ گو اس کے مخالف اسکی تعلیمات کے اور اس کی جان کے لئے ہی مخالف ہوں لیکن جوش کے ماتحت اسپر حملہ نہیں کر سکتے تھے۔ اور گو وہ غضب میں اندھے بھی ہو جاتے مگر انکے لئے بغیر قانون کی آڑ کے اور کوئی وسیلہ نہ تھا جس سے مسیح کو سیدھا کر سکیں برخلاف اسکے رسول اللہ کو جس قوم سے واسطہ پڑتا تھا وہ اپنے جوشوں کے پورا کرنیکے لئے بالکل آزاد اور مختار تھی اور کوئی قانون نہ تھا جو ایسے سخت سے سخت ارادوں کی روک تھام کر سکے اور نہ صرف کوئی دنیاوی سلطنت یا قانون ہی اسکو اپنی حدود میں نہ رکھ سکتا تھا۔ بلکہ کوئی شریعت بھی اس قوم کے پاس نہ تھی جو کہ اسکے دل پر حکومت کرتی ہو اور نہ ہی علوم سے انکو کچھ بہرہ تھا۔ کہ اخلاق کی رہنمائی سے ہی وہ اپنے جوشوں سے باز رہتی۔ پس اگر مسیح کی قوم قیدی تھی تو یہ اسکے برخلاف آزاد تھی اور اگر وہ بندھی تھی۔ تو یہ

لگتی تھی۔ اور اگر اسکے رستہ میں رکاوٹیں تھیں تو یہ بے روک ٹوک تھیں اور اگر وہ اپنے جوشوں کے پورا کرنے سے قاصر تھی تو یہ قادر تھی اور وہ کسی شریعت کے جوئے یا عذاب کے خوف کے نیچے تھی تو یہ ان دونوں باتوں سے بری۔ پس جو اختیار کہ مسیح پر اُس کی قوم کو تھا۔ اس سے کہیں زیادہ رسول اللہ پر آپ کی قوم کو تھا اور جو نقصان کہ مسیح کی قوم اسکو بسبب گوناگوں رکاوٹوں کے نہ پہنچا سکتی تھی وہ رسول اللہ کی قوم اپنی آزادی کیوجہ سے پہنچا سکتی تھی۔ پھر مسیح قانون کی پناہ میں ہونیکے علاوہ اپنے ماں باپ کی پناہ اور اپنے بھائیوں کی حمایت میں تھا برخلاف اسکے رسول اللہ کے والدین اور دادا آپ کے بچپن میں ہی فوت ہو گئے تھے۔ اور صرف ایک چچا کی مدد آپ کے ساتھ تھی۔ پھر مسیح کی تعلیم وہی تھی جو کہ توریت و زبور وغیرہ کی ہے لیکن رسول اللہ کفار کے اپنے طرز عمل کو ہی برا نہ کہتے تھے بلکہ اُنکے معبودوں کو بھی حَصَبُ جَهَنَّم قرار دیتے تھے۔ جس سے پتہ لگ سکتا ہے کہ مسیح کی قوم کو اُن سے کچھ زیادہ اختلاف نہ تھا مگر رسول اللہ کی قوم میں اور آپ میں ایک اختلافات کا سمندر حائل تھا جو انکو آپکی مخالفت کے لئے ہردم ابھارتا رہتا۔ پھر جو شخص مسیح کی پیروی کرتا تھا۔ اسے سوائے گالیوں کے اور کچھ نقصان نہ پہنچتا تھا۔ یا زیادہ ہوا تو کہیں مار پیٹ پڑ جاتی تھی۔ لیکن رسول اللہ کیساتھ تعلق پیدا کرنا نہ صرف عزیز و اقربا سے قطع تعلق کر لینا تہا۔ بلکہ اپنی جان سے بھی ناامید ہونا تھا چنانچہ حواریوں کا زیادہ سے زیادہ پیٹنا ثابت ہے اور صحابہ کا نہ صرف مار کھانا بلکہ قتل ہونا پایہ ثبوت کو پہنچتا ہے اور پھر قتل بھی معمولی نہیں۔ ایسے واقعات بھی ہیں کہ مرد کی ایک ٹانگ ایک اونٹ سے باندھ دی اور دوسری دوسرے سے اور پھر دونوں کو مختلف سمتوں میں چلا دیا اور پھر مسیح کے ساتھ کی عورتوں کی نسبت تو گالی گلوچ بھی ثابت نہیں اور رسول اللہ کو

ماننے والی عورتوں میں سے بعض کا قتل اور ایسا قتل کہ انکے فروج میں نیزہ مار کر مار دیا گیا ثابت ہے۔ پھر مسیح شہروں اور بستیوں میں کھلم کھلا وعظ دیتا پھرتا تھا اور رسول کریم کے مخالفین آپ کو اسقدر آزادی نہیں دیتے تھے بلکہ آپکا آکے دُکّے آدمیوں میں تبلیغ کرنا بھی وہ لوگ ناپسند کرتے تھے۔ اور جہاں آپ کو دیکھتے زدوکوب کرنے سے نہ ٹلتے تھے پھر اگر مسیح کہیں بھاگ جاتا تو وہ لوگ ایسے ناراض نہ تھے کہ اسکا پیچھا کرتے۔ لیکن رسول اللہ مکّہ سے ہجرت کر کے مدینہ منوّرہ میں تشریف لیگئے تو آپکا پیچھا لوگوں نے وہاں تک کیا۔ مسیح کے پکڑنے کا خیال اسکے مخالفین کو ایسا نہ تھا۔ جتنا کہ آپ کے مخالفین کو آپکے گرفتار اور قتل کرنیکا تھا۔ کیونکہ مسیح کے سر کا اسکے دشمنوں نے تیس درم انعام مقرر کیا لیکن رسول اللہ کے لئے ایکسو اونٹ کا انعام اعلان کیا گیا پھر مسیح کی جنگ یعنی زبانی بات چیت صرف یہودیوں سے تھی اور رسول اللہ نے اپنی سچائی سے سب دنیا کو اپنے مقابل پر لاکھڑا کیا تھا۔ اور مسیح اپنی حکومت کی پناہ میں تھا اور رسول اللہ کے مقابل پر نہ صرف آپکی اپنی قوم تھی بلکہ اسوقت کی دونوں زبردست یعنی قیصر روما اور کسرےٰ کے ایران کی حکومتیں بھی آپ کے استیصال کا ارادہ رکھتی تھیں اور علاوہ انکے عرب کے مسیحی اور یہودی بھی آپ کے ساتھ ہڈی پسلی کا بیر رکھتے تھے۔ مگر باوجود ان تمام مشکلات کے جو رسول اللہ کے راستہ میں تھیں اور ان خطرات کے جو آپ کی ہلاکت کے لیئے اگر آپ (نعوذ باللہ) جھوٹے ہوتے کافی تھے آپ بڑھے اور پھولے اور پھلے اور دن رات آپ کا قدم آگے بڑھا اور جو کوئی آپ کے مقابلہ میں آیا ہلاک ہوا۔ اور جو کوئی آپ پر گرا ہلاک ہوا اور جسپر آپ گرے اسے ہلاک کر دیا۔ آپ کے مخالفین کے گھر اجڑ گئے انکی بستیاں ویران ہوگئیں جس نے آپ پر تلوار چلائی قتل کیا گیا انکی بیویاں بیوہ

ہو گئیں اُسکے بچے یتیم ہوئے۔ اسپر رو نیوالا بھی کوئی نہ ملا۔ چیلیں اور کُتے آپکے اعداء کا گوشت کھا گئے۔ وہ دنیا و آخرت میں ذلیل کئے گئے اور کوئی نہ تھا جو انکو بچاتا وہ برباد کر دیئے گئے۔ اور کوئی نہ نکلا جو انکی مدد کو آتا۔ جنہوں نے آپکو گمنام کرنا چاہا تھا وہ خود گمنام ہو گئے اور آجتک انکے نام و نشان کا پتہ نہیں آج کوئی ہے جو ابوجہل کی نسل ہونا اپنے لئے پسند کرے کیا کوئی ہے جو عتبہ و شیبہ کے نام اپنے آباء میں لینا فخر سمجھے وہ صنادید عرب جو اپنے ملک کے باپ کہلاتے تھے۔ انکی عمارتیں آپکے سامنے گر گئیں وہ آپکی اطاعت میں سر کے بل گرائے گئے۔ انکے ماتھوں پر غلامی کا داغ لگایا گیا وہ بہادر و نکا بہادر اور بادشاہوں کا بادشاہ دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ مکہ پر چڑھ گیا اور وہ بت جو خدائے واحد کے مقابلہ میں کھڑے کئے جاتے تھے اسی کے بندہ کے آگے سرنگوں کئے گئے۔ اور اسکے زبردست ہاتھوں انکے ٹکڑے اڑا دیئے گئے۔ زمین سے لیکر آسمان تک اسکا نور چمکا اور خود ہند اسنے اسکے صدق پر شہادت دی اور اُسکا رحیم کریم دل اپنے مخالفین کیلئے پسیجا۔ اور لا تثریب علیکم الیوم کی دلکش آواز نے نہ صرف آپکے مخالفین کے جسموں کو ہی بچا لیا بلکہ انکی روحوں کو بھی ابدی دوزخ کے پھندے سے نجات دلا دی۔

لیکن یسوع باوجود اُن آسانیوں کے جو میں اوپر لکھ آیا ہوں کہ نہ اسکی قوم ایسی خطرناک تھی اور نہ اسکو اس سے ایسی دشمنی ہی تھی روز بروز کمزور ہی ہوتا گیا۔ اور آخر نوبت یہاں تک پہنچی کہ وہ شخص اپنے حواریوں کو بارہ تختوں کا وعدہ دیتا تھا اور ابن اللہ ہونیکا دعویٰ کرتا تھا۔ اور اپنے آپکو شہزادہ کہتا تھا جو یہودیوں کی ہلاکت کی پیشگوئیاں کر رہا تھا جو رومن سلطنت کی بھی کچھ حقیقت نہ سمجھتا تھا جسے اپنی ترقیوں کی بڑی بڑی امیدیں تھیں۔ اور جو آسمانی بادشاہت کے وعدہ دے دیکر اپنی حواریوں

کے حوصلہ کو بڑھا رہا تھا۔ یہودیوں کے قبضہ میں پڑا اور کچھ ایسا پھنسا۔ کہ آخر نہایت کرب و اندوہ اٹھا کر سولی پر لٹکایا گیا۔ اور اُسوقت اسکے دشمنوں نے اسکے منہ پر تھوکا اور کانٹوں کا تاج پہنایا۔ اور پانی کی جگہ سرکہ پلایا۔ اور اس بے بسی و بیکسی کی حالت میں وہ چیخا۔ اور ایلی ایلی لما سبقتنی کی دردناک اور مایوسی کی مجسّم آواز اسکے منہ سے نکلی اور بقول مسیحیوں کے ہمیشہ کے لیئے اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔ اور ساتھ ہی ان تمام دعووں پر جو اُسنے اپنی ذات کی نسبت اور حواریوں کے بارہ میں کئے تھے پانی پھر گیا اب بتاؤ کہ کیا وہ شخص جو باوجود سخت سی سخت مصیبتوں کے اور دشمنوں کے حملہ کے کامیاب ہؤا خدا کا بیٹا کہلانیکا مستحق ہے یا وہ جو مقابلۃً چین اور آرام سے زندگی بسر کر رہا تھا اور جس کے راستہ میں کوئی سخت رکاوٹیں نہیں تھیں۔ مگر باوجود اسکے ناکامی و نامرادی سے اس دنیا سے گزر گیا۔ (بقول مسیحی صاحبان کے)

یہ تو دنیاوی کامیابی ہوئی علاوہ وہ اسکے کامل تعلیم سچے اور مخلص مرید اور پاک زندگی اور بےنظیر معجزات اور قدسی صفات کے لحاظ سے بھی رسول اللہ کو مسیح پر بدرجہا فضیلت تھی۔ پس کوئی رنگ بھی لے لو اور کسی طریق پر بھی آپ کا مسیح سے مقابلہ کر لو۔ آپ کی فضیلت مسیح پر ثابت ہے۔ پس اگر کسی معنے میں کوئی خدا کا بیٹا کہلا سکتا ہے۔ تو وہ رسول اللہ ہیں نہ کہ مسیح۔ علاوہ ازیں مسیح نے اپنے آپکو خدا کا بیٹا کہا بھی نہیں بلکہ وہ تو ہمیشہ ابن آدم ہی کہلاتا رہا ہاں اگر سمجھیں۔ خدا کے بیٹے کا لفظ اسنے اپنے لیئے استعمال کیا بھی تو ان معنوں میں تو بہت سے آدمی خدا کے بیٹے ہیں۔ مثلاً کل یہودیوں کی نسبت توریت میں ہے کہ "تب تو فرعون کو یوں کہیو کہ خداوند نے یوں فرمایا ہے۔ کہ اسرائیل میرا بیٹا بلکہ میرا پلوٹھا ہے ۴ ۲۲ خروج۔ سو اس آیت سے تو کل بنی اسرائیل ہی خدا کے بیٹے بلکہ پلوٹھے معلوم ہوتے ہیں

مسیح کی خصوصیت ہی کیا ہے۔

یسوع صلیب پر خوشی سے نہیں چڑھا

اس کے بعد جو بات کفارہ کے مسئلہ پر روشنی ڈالتی ہے یہ ہے کہ آیا مسیح صلیب پر لٹکایا جانیکے لئے خوش بھی تھا۔ یا نہیں اگر وہ ناراض تھا تو پھر کفارہ کا مسئلہ کسی طرح بھی صادق نہیں ہو سکتا۔ اور اسکے لئے ہمکو دور جانیکی ضرورت نہیں خود مسیح کی اسوقت کیحالت کا بیان کافی ہوگا۔ چنانچہ متی $\frac{۳۶ \text{ تا } ۴۴}{۲۶}$ میں لکھا ہے کہ "پھر یسوع انکے ساتھ گیتسمنی نام ایک مقام پر آیا۔ اور شاگردوں سے کہا یہاں بیٹھو جب تک میں وہاں جاکر دعا مانگوں تب اس نے پطرس اور زبدی کے دو بیٹے ساتھ لئے اور غمگین اور نہایت دلگیر ہونے لگا۔ تب اسنے ان سے کہا کہ **میرا دل نہایت غمگین ہے بلکہ میری موت کی سی حالت ہے** ۔ تم یہاں ٹھہرو اور میرے ساتھ جاگتے رہو اور کچھ آگے بڑھ کر منہ کے بل گرا۔ اور دعا مانگتے ہوئے کہا کہ اے **میرے باپ اگر ہو سکے تو یہ پیالہ مجھ سے گزر جائے** تو بھی میری خواہش نہیں بلکہ تیری خواہش کے مطابق ہو پھر لوقا $\frac{۳۹ \text{ تا } ۴۴}{۲۲}$ میں ہے کہ "اور وہ نکلکے اپنے دستور پر زیتون کے پہاڑ کی طرف چلا۔ اور اسکے شاگرد اس کے پیچھے ہو لیے اور اسجگہ پہنچکے اُسنے ان سے کہا دعا مانگو تاکہ آزمائش میں نہ پڑو اور اسنے ان سے تیر کے ایک ٹپے پر بڑھکے گھٹنے ٹیک دعا مانگی۔ اور کہا۔ کہ اے باپ اگر تو چاہے تو یہ پیالہ مجھ سے دور کر لے لیکن میری مرضی نہیں۔ بلکہ تیری مرضی کے موافق ہو اور آسمان سے ایک فرشتہ اسکو دکھائی دیا۔ جو اُسے قوت دیتا تھا۔ اور وہ جانکنی میں پھنسکے بہت گڑگڑا کے دعا مانگتا تھا اور اس کا پسینہ لہو کی بوند کی مانند ہو کر زمین پر گرتا تھا۔ اور دعا سے اُٹھکر اپنے شاگردوں کے پاس آیا اور انہیں غم سے سوتے پایا۔ اور اُسنے کہا کہ تم کیوں سوتے ہو؟

اُٹھکر دعا مانگو تا کہ آزمائش میں نہ پڑو۔ اب ان دونوں حوالوں سے مندرجہ ذیل واقعات معلوم ہوتے ہیں۔

اوّل تو یہ کہ اس واقعہ کی اطلاع ملنے سے یسوع پر ایسا غم طاری تھا کہ اسکی حالت موت کی طرح ہو گئی تھی۔ دوم یہ کہ اُسنے اپنے شاگردوں سے بڑے زور سے التجا کی کہ وہ اسکے لیئے دعا کریں تا کہ وہ اس مصیبت سے بچ جائے۔ سوم یہ کہ وہ خود بھی بہت گریہ وزاری سے اس تلخ پیالہ کے ٹلجانے کی دعا کرتا رہا چہارم یہ کہ اسکی اپنی مرضی صلیب پر لٹکنے کی نہ تھی بلکہ مجبور تھا۔ اور خدا تعالےٰ کے حکم کے مقابلہ میں اُسکا کچھ بس نہ چلتا تھا۔ پنجم یہ کہ اسکا درد یہانتک بڑھ گیا کہ خدا تعالیٰ کو تسلّی دینے کے لیئے ایک فرشتہ نازل کرنا پڑا۔ ششم یہ کہ پھر بھی اسکی تسلی نہوئی بلکہ اُسنے دعا میں اسقدر زور لگایا۔ کہ اسکا پسینہ خون کی طرح سُرخ ہو کر بہنے لگا۔

ان سب باتوں کو غور سے دیکھو تو خود بخود کھلجائیگا۔ کہ یسوع کا قطعاً منشا نہ تھا کہ وہ صلیب پر لٹکایا جائے بلکہ اس خبر کو سُن کر اسکے ہوش اڑ گئے اور صبر کا دامن ہاتھ سے جاتا رہا۔ اور ہلاکت کا خوفناک منظر اسکی آنکھوں کے آگے پھر گیا۔ اور زمین پاؤں کے تلے سے نکل گئی اور دنیا اندھیر ہو گئی۔ اور اس نے اس خیال سے کہ شاید اسکی نہیں تو اسکے مریدوں کی دعا ہی بارگاہ الٰہی میں سنی جائے ان سے التجا کی اور عاجزی سے درخواست کی کہ وہ اسکے لیئے دعا کریں۔ کہ شاید وہ ابتلا ٹلجائے۔ اور وہ مصیبت گزر جائے اور خود بھی اس حد تک دعا کی کہ شدت غم میں پسینہ کی جگہ خون بہنے لگا۔ تو جس شخص کا یہ حال ہو کہ وہ گھٹنوں کے بل گر گر کر اپنے بچائے جانیکی درخواست کرے اور گڑگڑائے اور روئے اور چلائے اور آسمان کو سر پر اٹھالے انکی نسبت کون عقلمند کہہ سکتا ہے۔ کہ اسنے بنی نوع انسان کے گناہ اپنے سر پر اٹھا لیئے اور خوشی سے صلیب پر

چڑھیگا۔ اگر یہی آثار خوشی کے ہوتے ہیں۔ تو جیلخانوں میں سینکڑوں آدمی ہر سال اسی خوشی سے جانیں دیتے ہیں۔

لوقا کا یہ لکھنا کہ اس کی تسلّی کے لیئے فرشتہ بھیجا گیا ظاہر کرتا ہے کہ یسوع کا غم بکمال تک پہنچگیا تھا۔ ورنہ خدا تعالےٰ کو کیا ضرورت پڑی تھی کہ فرشتہ بھیجتا۔ کہ جو اسکے دل کو آکر سہارا دیتا۔ مگر عجیب بات یہ ہے کہ باوجود فرشتہ کے تسلّی دینے کے یسوع کا دل مطمئن نہ ہوا اور وہ برابر گھبرا تا رہا۔ پس اگر واقعی وہ اپنی مرضی سے صلیب پر چڑھنے کیلئے اس دنیا میں آیا تھا۔ تو یہ رنج اور یہ گھبراہٹ اور یہ گریہ وزاری کیونکر ہو سکتی تھی!

پھر یسوع اپنی دعا میں یہ کہتا ہے۔ کہ اے باپ جس طرح ہو یہ پیالہ مجھ سے ٹالدے۔ مگر وہی ہو جو تیری مرضی ہو نہ کہ میری۔ صاف ظاہر کرتا ہے کہ یسوع کی مرضی تو یہی تھی۔ کہ وہ صلیب پر نہ لٹکایا جائے۔ مگر حکم خداوندی کے آگے کچھ پیش نہ چلتی تھی۔ تب ہی تو کہتا ہے کہ باوجود میری اس خواہش کے کہ میں صلیب سے بچ جاؤں میں تیری مرضی پر صابر ہوں۔ پس اس سے نہ صرف یہی معلوم ہوتا ہے کہ یسوع خود صلیب پر نہ چڑھنا چاہتا تھا۔ بلکہ یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ خدا باپ نے (نعوذ باللہ) اسکو زبردستی صلیب پر لٹکایا۔ اور اسکا ایسا کرنا صریحاً عدل کے خلاف تھا کیونکہ کسی معصوم اور بیگناہ کو زبردستی صلیب پر لٹکانا سخت ظلم ہے۔ پس جس طریقہ سے مسیحی خدا کا عدل ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ اسی سے اسکا ظلم ثابت ہوتا ہے اور خدا کی طرف ظلم کا منسوب کرنا خود ایک بڑا ظلم ہے۔

مگر سب سے بڑھکر یسوع کے وہ کلمات ہیں جو کہ اُسنے صلیب پر لٹکایا جانے کے وقت بار بار دہرائے۔ اور وہ یہ ہیں کہ ایلی ایلی لما سبقتنی۔ یعنے اے میرے خدا اے میرے خدا تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا۔ یہ کلمات ایسے توحید سے پُر اور

مایوسی میں ڈوبے ہوئے ہیں کہ عقلمند انسان انکو سن کر کبھی گمان نہیں کر سکتا۔ کہ یسوع بھی خدائی کا شریک ہو سکتا تھا۔ اور پھر اگر وہ خوشی سے صلیب پر لٹکنا چاہتا تھا۔ تو وہ اس حد تک کیوں گھبرا جاتا۔ کہ خدا پر اپنے عہد کے ترک کر دینے کا الزام دیتا۔ اگر وہ مسیحی دنیا کے بچانے کے لیئے ہی وہ دنیا میں آیا تھا۔ توجبدن اسنے سُنا تھا۔ کہ مجھے صلیب پر لٹکانے لگے ہیں۔ اس دن اُسے بجائے غم کے خوشی ہونی چاہیئے تھی۔ اور چاہیئے تھا کہ وہ اپنے کل مریدوں کو اکٹھا کر کے جشن کرتا۔ اور اپنی عادت کے مطابق وہ سب لوگ ملکر خوب شرابیں پیتے۔ اور ناچتے اور گاتے کہ وہ مبارک دن اور بابرکت گھڑی اب قریب آگئی ہے کہ جس کے شوق میں یسوع آسمان کو چھوڑ کر اس زمین پر آیا تھا۔ اور مصلوب ہوتے وقت بجائے یہ کہنے کے کہ اے میرے خدا۔ اے میرے خدا۔ تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا۔ اُسے یہ کہنا چاہیئے تھا۔ کہ اے میرے باپ۔ اے میرے باپ میں خوشی سے بنی نوع انسان کے لیئے جان دیتا ہوں اور انکے گناہ اپنے سر پر اٹھاتا ہوں۔ مگر وہ گھبراہٹ وہ آہ وزاری ظاہر کرتی ہے۔ کہ جس کفارہ کو مسیحی صاحبان نجات کا ایک ہی ذریعہ قرار دیتے ہیں خود یسوع بھی اس سے ناواقف تھا۔

یسوع صلیب پر نہیں مرا

ان سب باتوں کے بعد یہ دیکھنا ہے کہ آیا یسوع صلیب پر فوت بھی ہوا تھا۔ کہ نہیں اور چونکہ مسیحیوں کو قائل کرنیکے لیئے سب سے بہتر ذریعہ اناجیل ہی ہیں اسلیئے میں انہیں ہی سے روشنی ڈالتا ہوں۔ کہ یسوع کی صلیبی موت قطعاً ثابت نہیں بلکہ صلیب پر سے بچ جانا ثابت ہے۔ متی باب ۲۷ میں ہے کہ جب یسوع حاکم کے سامنے لیجایا گیا تو اس نے اس سے بہت سے سوال کیئے مگر اسنے کوئی جواب نہ دیا اور اسپر حاکم بہت متعجب ہوا۔ مگر اسکا دستور تھا کہ ہر عید پر ایک قیدی کو یہودیوں کی خاطر چھوڑ دیتا تھا۔ سو

اس نے یہودیوں سے پوچھا۔ میں کسی کو چھوڑوں براباس کو جو ایک مشہور چور تھا یا یسوع کو۔ کیونکہ وہ سمجھ گیا تھا کہ یسوع حسد کی وجہ سے پکڑایا گیا تھا۔ یہودیوں نے براباس کو چھوڑنیکی درخواست کی۔ اتنے میں حاکم کی بیوی نے آدمی بھیجا۔ کہ خبردار اس نیک آدمی کو کچھ نہ کہنا کیونکہ مینے آج رات کو اسکی وجہ سے بڑی تکالیف اٹھائی ہیں اسلیئے پلاطوس نے پھر یسوعا کو بچانیکے لیئے کوشش کی۔ مگر یہودیوں نے نہ مانا تو اُس نے ان سے پوچھا۔ کہ کیوں اس نے کیا بدی کی کہ میں اُسے صلیب پر لٹکاؤں انہوں نے کچھ جواب نہ دیا اور یہی شور مچایا۔ کہ نہیں اُسے صلیب دو۔ تب اُسنے سب یہودیوں کے سامنے ہاتھ دھوئے اور کہا۔ کہ تم جو چاہو کرو۔ میں اس راستباز کے خون سے بری ہوں اور اُسے یہودیوں کے سپرد کر دیا۔ جنہوں نے اُسے جمعہ کے دن شام کیوقت صلیب پر لٹکا دیا اور ابھی تین گھنٹہ نہ گزرنے پائے تھے۔ کہ ایک بڑا زلزلہ آیا اور اندھیرا چھا گیا اور چونکہ یہودی سبت کے دن کسی کو صلیب پر نہ رکھ سکتے تھے۔ اسلیئے انہوں نے سب کو اُتار لیا اور یوحنا کے بیان کے مطابق اسکے ساتھ جو دو چور صلیب پر لٹکائے گئے تھے انکی ہڈیاں توڑی گئیں۔ مگر یسوع کی کوئی ہڈی نہ توڑی۔ اور ایک شخص نے جب انکے پہلو کو چھیدا تو اس میں سے خون نکلا پھر جیسا کہ متی لکھتا ہے۔ یوسف آرمیتا یسوع کا ایک شاگرد پیلاطوس کے پاس گیا۔ اور اس سے اسکی لاش مانگی۔ مگر پلاطوس نے بموجب بیان مرقس کے متعجب ہو کر شبہ کیا۔ کہ کیا وہ ایسی جلدی مر گیا۔ اور اُسے اسکے سپرد کر دیا اس نے اسے ایک مکان میں جا کر ڈالدیا۔ اور مریم مگدلینی وغیرہ دروازہ پر بیٹھی رہیں پھر یہودیوں کو شبہ ہؤا۔ کہ ایسا نہ ہو کہ یسوع کے شاگرد اُسے چُرا کر لیجائیں۔ اور کہدیں کہ وہ زندہ ہو گیا اسلیئے اپنے پہرہ دار مقرر کئے۔ مگر جب وہ گئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ پتھر قبر پر

سے ڈھلکا ہوا ہے۔ اور ایک آدمی نے مریم مگدلینی وغیرہ سے جو وہاں یسوع کے دیکھنے کو آئی تھیں کہا کہ یسوع تو اب یہاں نہیں ہے بلکہ چلا گیا ہے تم جا کر اس کے شاگردوں سے کہو کہ وہ جلیل میں تمکو ملیگا۔ غرض وہ وہاں گئیں اور جلیل میں سب شاگرد اکٹھے ہوئے اور یسوع بھی چھپتا ہوا وہاں پہنچا مگر اُسکے شاگردوں نے شک کیا۔ کہ شاید یہ اُسکی روح ہے مگر بقول یوحنا کے اسنے تھوما سے کہا کہ وہ اسکے زخموں میں انگلیاں ڈال کر دیکھے کیونکہ روح میں ہڈی نہیں ہوتی۔ اور پھر ان کے ساتھ بیٹھکر مچھلی اور روٹی اور شہد کھایا۔

اب ان تمام واقعات کو ملا کر دیکھو کہ کیا ان سے یسوع کی وفات ثابت ہوتی ہے یا اسکا بچ جانا ثابت ہے۔ حاکم وقت اسکو بچانا چاہتا تھا۔ اور اس کی بیوی نے خواب دیکھا تھا کہ اگر اسکو تکلیف پہنچی تو تمہاری خیر نہیں۔ اسکو یقین تھا کہ یسوع بیگناہ ہے پھر جب وہ صلیب پر لٹکایا گیا ہے۔ تو جمعہ کا دن تھا اور شام کا وقت اور بادجود اسکے اندھیری آگئی۔ اور یہودی ڈرسے کہ کہیں شام نہ پڑ گئی ہو کیونکہ انکے مذہب کے روسے ہفتہ کے روز کسی کا صلیب پر لٹکانا عذاب کا محرک تھا پس انھوں نے اُسے بموجب مختلف روایات کے اڑھائی گھنٹہ سے پانچ گھنٹہ تک لٹکایا۔ حالانکہ صلیب پر آدمی تین دن تک لٹک کر بھی زندہ رہتے تھے اور ہڈیاں توڑے جانے پر مرتے تھے پھر مسیح دو تین گھنٹوں میں کیونکر مر گیا۔ پھر اسکے دو ساتھیوں کی تو ہڈیاں توڑی گئیں۔ اُسکی ہڈیاں بھی توڑی گئیں اور اس کا پہلو چھیدنے پر خون نکلا۔ جو زندگی کی علامت ہے پھر اسکے شاگرد یوسف نے جھٹ پٹ اس کی لاش حاصل کرنیکی کوشش کی اور حاکم وقت کو شبہ ہوا کہ اتنی جلدی یسوع کیونکر مر گیا۔ لاش حاصل کر کے یسوع نے کسی تنگ قبر میں نہیں۔ بلکہ ایک کمرہ میں رکھی تاکہ ہوا آگا کرتا رہے پھر یسوع ہوش آنے پر چھپ کر نکلا۔ اور

جلیل گیا اور خفیہ خفیہ ہی شاگردوں سے ملا اگر وہ مر کر زندہ ہُوا تھا۔ اور اب پھر خدا ہو گیا تھا۔ تو اسے چھپنے کی کیا ضرورت تھی۔ اور پھر خود یہودیوں کو شبہ تھا کہ وہ زندہ ہے تبھی انہوں نے پہرہ مقرر کیا۔ غرض یسوع پر ہمیشیوں کی طرح حواریوں نے بھی شُبہ کیا۔ کہ شاید یہ کوئی روح ہے۔ مگر اسنے انہیں اپنے زخم دکھائے۔ اور ان کیساتھ بیٹھکر کھانا کھایا۔ اب ان سب واقعات کو دیکھکر کون کہہ سکتا ہے۔ کہ وہ مر گیا تھا۔ بلکہ ثابت ہے کہ وہ زندہ تھا۔ اور علاوہ اس واقعات کے تاریخی شہادت بھی ہے۔ کہ یہودیوں نے اس کی تلاش کی اور وہ ان سے چھپا ہُوا کشمیر میں آیا۔ اور یہاں ایکسو بیس برس کی عمر پاکر فوت ہو گیا۔ اور خانیار محلہ میں اُس کی قبر ہے اور میں نے خود دیکھی ہے چنانچہ میں نے اس کی نگہبان بڑھیا سے پوچھا کہ یہ کس کی قبر ہے تو اس نے کہا کہ عیسیٰ نبی کی جو کسی اور ملک سے آیا تھا۔ پھر میں نے جب اُس سے سوال کیا۔ کہ مولوی تو کہتے ہیں کہ وہ آسمان پر زندہ چلا گیا۔ تو کیونکر کہتی ہے کہ وہ مر گیا تو اس نے کہا کہ وہ تو پڑھے ہوئے ہیں میں اُنکے مقابلہ میں کیا کہہ سکتی ہوں مگر بڑوں سے یونہی روایت آئی ہے۔ پھر خود مسیح کا کہنا کہ میں اسرائیل کی گُم شدہ بھیڑوں کے لیئے آیا ہوں ظاہر پڑتا ہے کہ اسکا کشمیر اور افغانستان میں آنا ضروری تھا۔ چنانچہ کشمیر میں ابتک بابل اور ماروت کی قبریں موجود ہیں جو ظاہر کرتی ہیں کہ یہ لوگ بنی اسرائیل کا بقیہ ہے۔ اور خود لفظ کشمیر جو اصل میں کسیر ہے اسبات کی گواہی دیتا ہے۔ کہ یہ لوگ بنی اسرائیل ہی سے ہیں کشمیریوں سے پوچھکر دیکھو کہ وہ کون ہیں۔ تو وہ یہی جواب دینگے کہ کاشر یعنی کشمیر کے رہنے والے جس کے معنے ہیں کَ شیر یعنے وہ ملک جو شام کی مانند ہیں چنانچہ یروشلم کا علاقہ شیر یا سیریا[1] کہلاتا تھا پس عقلاً بھی اور نقلاً بھی یسوع کا وہاں آنا ثابت ہے۔

[1] سیریا کا لفظ سوری سے نکلا ہے جسکا معنے ہیں پھول اور سیریا کے معنے ہوئے وہ زمین جو خوبصورت پھولوں والی ہے اور کشمیر تو پھولوں کی منڈی ہے اسکا نام بنی اسرائیل نے اپنے وطن کی یاد میں کسیر رکھکر اس شاعر کی تائید کی ہے۔ جو کہتا ہے کہ اگر فردوس بر روئے زمین است۔ ہمین است و ہمین است و ہمین است ✦

ضرورت کے وقت رسالہ پڑھا کر ... الرحمن

قابل قدر علمی فیاضی

پروپرائٹر صاحب افضل المطابع نے اپنے بچے کی "بسم اللہ خوانی" کی خوشی میں ۱۰۔ اگست ۱۹۱۰ء تک حسب ذیل کتب اصلی قیمت سے نصف پر دینا منظور کیا ہے اور چونکہ اسٹاک تھوڑا ہی اسلیئے اصلی قیمت سے جو ہر کتاب کے سامنے درج ہے آدھی دام ہونیر آپ جلد کتب ذیل طلب فرمالیجیے ورنہ بعد میں کف افسوس ملنا ہوگا:

ہمارے نبی کے پیارے حالات:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانحعمری ضرورت زمانہ کو مدنظر رکھکر عجیب طرز سے لکھی گئی مخالفین اسلام کے اعتراضات کے دندان شکن جوابات حالات زندگی کیساتھ ساتھ دیئے گئے ہیں قابل دید ہے حجم ۲۸۸ صفحہ قیمت ۱ روپیہ **سیاحت حبیب**:۔ یہ نہ صرف ہز میجسٹی امیر حبیب اللہ خان صاحب کا مکمل مفصل سفرنامہ ہند ہے بلکہ افغانستان کے متعلق ہر قسم کے تاریخی حالات تفصیل وضاحت سے لکھے گئے ہیں حجم ۲۴۲ صفحہ قیمت عہ **جامع التواریخ**:۔ اسمیں قوم پٹھان کی مکمل تحقیقات افغانوں کا مسلسل نسب نامہ ابتدا سے آجتک کمال تحقیقات سے لکھا گیا ہے اسکے ضمن میں فرمانروان ایران افغانستان بادشاہ ہندوستان حکمران سلطنت مغلیہ اسلامی شاہان دکن و عمارات دکن و حالات ریاستہائے رامپور ٹونک جاورہ کوروائی محمد گڑھ بھوپال وغیرہ مشرح درج ہیں حجم ہر دو حصص ۳۰۰ صفحہ قیمت ۱ روپیہ **خالد بن ولید**:۔ مسلمانوں کے مشہور سپہ سالار کی شجاعت کے شہرۂ آفاق کارنامے قابل دید قیمت عہ **جنگ روم و یونان** ۱۸۹۷ء حجم ۱۰۰ صفحہ قیمت عہ **جنگ روس و جاپان** ۲ حصہ حجم ۲۰۸ صفحہ قیمت ۱۲ **اسلام و عیسائیت کا تمدن**:۔ مصر کے نامور ریفارمر مفتی محمد عبدہ مرحوم کا اسلام و عیسائیت کے تمدن پر قابل قدر محاکمہ حجم ۱۰۰ صفحہ قیمت ۱۲ **مذہبی جنگیں** جسمیں توحید باری تعالیٰ کو ثابت کرکے مسائل تثلیث و الوہیت مسیح و تناسخ ارواح و اجسام کا ابطال کیا گیا ہے قیمت ۲ **بشارت احمدیہ**:۔ یعنی حضور کریم صلعم کی آمد کی تمام خوشخبریاں جو توریت زبور اور انجیل وغیرہ مجموعہ عہد عتیق میں درج ہیں قیمت ۴ **تقریر دلپذیر** پنج ارکان اسلام پر حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی کی فلسفیانہ بحث قیمت ۴ **تصوف و فلسفہ**۔ فلسفہ جدید کے تمام ... کی تردید تصوف کے نکات در موز کا خزانہ قیمت ۴ **خمخانہ جاوید**:۔ قدیم مشائخ کے ملفوظات اور موجودہ علماء یورپ و امریکہ کی اقوال سے تصوف کا ثبوت قیمت ۴ **تیغ صابریہ بر عقاید آریہ**:۔ جس میں وید کے کلام الٰہی ہونیپر خود ویدوں ہی سے استدلال کیا گیا ہے حجم ۱۱۶ صفحہ قیمت ۱۲ **اسلامی صداقت و ویدی بطالت** وید کی نامکمل اور ناقص تعلیم کا مقابلہ قرآن کریم کی پاک تعلیم سے قیمت ۴ **آستک سمیکشا**۔ دہرمپال کی کتاب ترک اسلام ...

رجسٹرڈ ایل نمبر ۵۶۹۴

کلکتہ کے مشہور ڈاکٹر ایس کے برمن کی بنائی ہوئی مجرب دوائیں جو ۲۶ برس سے تمام ہندوستان میں استعمال ہو رہی ہیں

کھانسی کی دوا

یہ دوا اچھا ہے کیسی کھانسی و کف کی بیماری ہو اسکو آرام کرتی ہے۔ اس میں یہ فوائد ہیں (۱) سردی کو بچانا (۲) کھانسی کو دبانا (۳) کف کو پتلا کرنا (۴) کف کو نکالنا (۵) سوکھا کھانسی کو روکنا قیمت بڑی شیشی بتیس ۳۲ خوراک ایک روپیہ (عہ) پیکنگ محصولڈاک (۱) سر چھوٹی شیشی سولہ ۱۶ خوراک آٹھ آنہ پیکنگ محصولڈاک (۵)

اس دوا پر مہاراجہ صاحب کی رائے مہاراجہ دل گنجن سنگھ

دیو بہادر ڈپٹی چیف ٹپنہ اسسٹنٹ بولاگیر ضلع سمبھل پور سے لکھتے ہیں خیابمن آپکی روانہ کردہ کھانسی کی دوا کیلئے شکر گذار ہوں اس دوا سے ہماری کھانسی بالکل دفع ہو گئی مجھے صرف ۴ خوراک سے زیادہ پینے کی درکار نہ ہوئی کھانسی مجھے بہت دنوں سے تکلیف دے رہی تھی اسواسطے دوبارہ آپکا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

دردسر و ریاح کی دوا

ریاحی درد لحظہ میں پہاڑ ہوتا ہے یہ دوا لحظہ میں اسکو پانی کر دیتا ہے درد ریاح جیسے چیس چمک ٹیک گو نہیں ہر میں لنگنی سے جو کہیں چھپاتے ہو تو اس دوا سے فوراً آرام ہو جاوےگا چاہے جسم کے کسی حصہ میں ایسا درد ہو اس سے مٹ جائیگا دردسر کیواسطے بھی اس دوا کا ایسا ہی فائدہ ہو نصف سر میں ہو یا تمام سر میں کسی وجہ سے کیسا ہی درد ہو اس دوا سے رفع ہو جاتا ہے۔ صرف یہ بھی نہیں اگر سر کٹا جاتا ہو اور اچاتا ہو اس دوا سے فوراً بند ہو جاتا ہے اندنوں لوگ ذرا ذرا باتوں میں سر دکھایا کرتے ہیں کام میں یا مفت کی باتوں میں فکر و تردد میں عیش و عشرت میں دنکو رات اور راتکو دن بنایا کرتے ہیں کل شکایتیں سر پر آجاتی اور اس سے ہی درد سر پیدا کرتے ہیں۔ ڈاکٹر برمن کی دوا ایسے لوگوں کے لیے ہیں دوا کے استعمال سے فوراً درد بند ہوتا ہے اسلیئے ہر خاص و عام کو یہ دوا اپنے پاس رکھنا لازم ہے قیمت (۱۲) ٹکیونکی ایک شیشی (۲) محصولڈاک ایک سے چھ ڈبیا تک (۵)

ڈاکٹر ایس کے برمن نمبر ۵ و ۶ تاراچند دت اسٹریٹ کلکتہ